عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

موجودہ حالات میں ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ

عالمِ کفر متحد ہو کر مملکت خداداد پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر چکا ہے۔ بھارت اس اتحاد کا ہراول دستہ بن کر پاکستان پر دانت تیز کر رہا ہے' لیکن مسلمانانِ پاکستان کے شب و روز میں تبدیلی ہوتی نظر نہیں آتی۔ حکمران اقتدار کے نشہ میں مست ہیں۔ مراعات یافتہ طبقے کا ہر دن عید اور ہر شب شبِ برأت کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ متوسط طبقہ دو وقت کی روٹی اور بجلی' گیس اور پانی کے بلوں کی ادائیگی کے چکر میں تن من کی ہوش کھو چکا ہے۔ دریا میں کود کر اور رسیوں سے جھول کر خودکشی کرنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ حکمرانوں کی غلط پالیسی کے نتیجے میں ملک کے شمالی حصہ میں آج فوج اور عوام ایک دوسرے کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں۔ امریکیوں کے میزائل حملوں کو اب ہم نے زندگی کا حصہ سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور احتجاج کا تکلف بھی نہیں کرتے۔ معاشی حالت تو کبھی بھی اچھی نہ تھی اب ہم اخلاقی طور پر بھی دیوالیہ ہو رہے ہیں۔ کراچی میں مسلمان' مسلمان کے خون سے ہاتھ رنگ رہا ہے۔ خود حکمران پاکستان کو مردِ بیمار کہہ رہے ہیں اور اسے ناکام ریاست قرار دے رہے ہیں۔ سچ پوچھئے تو پاکستان اس وقت شدید زخمی حالت میں پڑے ہوئے اُس جسد کی مانند ہے جو ہر آن موت کی طرف بڑھ رہا ہے اور جسے حشرات الارض نوچنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اُف خدایا! یہ اُس پاکستان کی حالت ہے جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا' جسے مدینہ کے بعد اسلام کے نام پر بننے والی پہلی ریاست قرار دیا گیا تھا۔

ذرا سوچیے کہ ہماری زمینیں سونا اگلتی ہیں اور ہم ایٹمی قوت ہیں' پھر بھی بھوک اور خوف ہم پر مسلط ہے۔ ہم اللہ اور رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں' ہم حاملِ قرآن ہیں' لیکن کافر اور مشرک ہم پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں۔ ہمارے حکمران ان سے ڈکٹیشن لیتے ہیں اور فخر سے ان کی چاکری کرتے ہیں۔

ہم نے قیامِ پاکستان کے وقت اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ! تو ہمیں ایک قطعہ اَرضی عطا فرما دے' ہم اس میں تیرا دین ''اسلام'' نافذ کریں گے۔ ہم نے دنیا کو پاکستان کا مطلب ''لا الٰہ الا اللہ'' بتایا تھا۔ اللہ نے ہمیں آزاد خودمختار ملک عطا فرما دیا' ہمیں خوشحالی دی' چھوٹوں کو بڑا بنا دیا' ناتواں کو توانا کر دیا تو ہم اپنے وعدہ سے منحرف ہو گئے' ہم مکر گئے۔ ہم نے فریب و دجل سے کام لیا۔

ہم دُنیوی مال و متاع پر ریجھ گئے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے لگے۔ محمد عربی ﷺ کے لائے ہوئے دینِ حق کو قائم و نافذ کرنے کی بجائے انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنے والی بے حیا ابلیسی تہذیب اور سودی معیشت کو ہم نے اپنا قومی شعار بنایا۔ اس طرح گویا اپنے ربّ سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ گئی۔ چنانچہ گراں قدر آزادی اور ملک کی سلامتی سب کچھ خطرے میں پڑ گیا۔ گزشتہ ۶۲ سال کے دوران ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر اللہ کے عذاب کے متعدد کوڑے برستے رہے، یہاں تک کہ ہمارا ایک بازو ہم سے کٹ گیا اور ہمیں بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ـــــ لیکن ابھی مہلت ہے، ابھی ہمیں اس ہلاکت خیز انجام سے دوچار نہیں کیا گیا جس کا خواب ہمارے دشمن دیکھ رہے ہیں۔

ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اللہ کی جناب میں سچی توبہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہے۔ آیئے اپنے رب سے کیے ہوئے عہد بندگی کو نبھانے کا از سرِنو عزم کریں اور انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر توبہ کریں۔ یعنی ہر فرد طے کرے کہ وہ اپنی ذات اور گھر بار سے ہر اُس چیز کو نکال پھینکے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق نہ ہوگی اور اجتماعی سطح پر قوم اس نظام کو پاکستان میں نافذ کرے جس سے پاکستان ایک اسلامی، فلاحی، مثالی ریاست (یعنی خلافت راشدہ کا نمونہ) بن جائے۔ ہماری انتظامیہ ہو، یا پارلیمنٹ ہو، یا عدلیہ ہو، ہر جگہ اللہ اور رسول ﷺ کا قانون بالادست ہو۔

یہی وہ واحد راستہ ہے جس کو اختیار کرنے سے ربّ کی روٹھی ہوئی رحمت پھر سے ہم پر سایہ فگن ہوسکتی ہے اور اُس کی نصرت و حمایت کے بل پر ہم امریکہ، اسرائیل اور بھارت سمیت تمام اسلام دشمن طاقتوں کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں۔ ربّ العزت کا فرمان ہے:

> ''(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آ سکتی، اور اگر (تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے) وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو کوئی نہیں جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے!''

آیئے! ربّ رحیم کے حضور سربسجود ہو کر اُس سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کریں۔ وہ خطاؤں کو بخش دینے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ ہم اگر سچی توبہ کریں، آئندہ دین اسلام پر پورے طور پر عمل پیرا ہو جائیں اور دینِ حق کے غلبہ و قیام کے لیے اجتماعی جدوجہد کریں تو اللہ کی رحمت و نصرت دوبارہ شاملِ حال ہوسکتی ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہمیں حاصل ہوسکتی ہیں۔

تنظیم اسلامی، بحمد اللہ، اسی جدوجہد کے لیے سرگرمِ عمل ہے اور آپ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دیتی ہے۔ oo

سُورۂ آلِ عمران

آیات ۳۳ تا ۴۱

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی
الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ اِذۡ قَالَتِ
امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ ۚ
اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتۡہَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُہَاۤ
اُنۡثٰی ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَ لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَ اِنِّیۡ
سَمَّیۡتُہَا مَرۡیَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُہَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَہَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۳۶﴾
فَتَقَبَّلَہَا رَبُّہَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَہَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ کَفَّلَہَا زَکَرِیَّا ؕ کُلَّمَا
دَخَلَ عَلَیۡہَا زَکَرِیَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَہَا رِزۡقًا ۚ قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی
لَکِ ہٰذَا ؕ قَالَتۡ ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ
حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ ہُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ۚ قَالَ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ
ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتۡہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ ہُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ
فِی الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ
وَ سَیِّدًا وَّ حَصُوۡرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ
وَّ قَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ وَ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾
قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ
وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا وَّ سَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ ﴿۴۱﴾

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا دوسرا حصہ ۳۱ آیات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں خطاب براہِ راست نصاریٰ سے ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا ہے اور تثلیث (Trinity) کا عقیدہ گھڑ لیا ہے یہ سب باطل ہے۔ عیسائیوں کے ہاں دو طرح کی تثلیث رائج رہی ہے —— i) خدا' مریم اور عیسیٰؑ —— اور ii) خدا' روح القدس اور عیسیٰؑ۔ یہاں پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جو تثلیثیں تم نے ایجاد کر لی ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے' یہ تمہاری کج روی ہے۔ تم نے غلط شکل اختیار کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ہاں اُن کی ولادت معجزانہ طریقے پر ہوئی ہے۔ لیکن ان سے متصلاً قبل حضرت یحییٰؑ کی ولادت بھی تو معجزانہ ہوئی تھی۔ وہ بھی کوئی کم معجزہ نہیں ہے۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت بھی تو بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اگر کسی کی معجزانہ ولادت الوہیت کی دلیل ہے تو کیا حضرت آدمؑ اور حضرت یحییٰؑ بھی الٰہ ہیں؟ تو یہ ساری بحث اسی موضوع پر ہو رہی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳﴾ ''یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ کو' نوحؑ کو' آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو تمام جہان والوں پر۔''

اِصطفاء کے معنی منتخب کرنے یا چن لینے (selection) کے ہیں۔ زیر مطالعہ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی ''اِصطفاء'' ہوا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک دلیل موجود ہے جو تخلیق آدم کے ضمن میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے ایک نوع (species) وجود میں آئی تھی اور اللہ نے اس نوع کے ایک فرد کو چن کر اس میں اپنی روح پھونکی تو وہ آدمؑ بن گئے۔ چنانچہ وہ بھی چنیدہ (selected) تھے۔ اِصطفاء کے ایک عام معنی بھی ہوتے ہیں' یعنی پسند کر لینا۔ ان معنوں میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو تمام جہان والوں پر ترجیح دے کر پسند کر لیا۔ تاریخ بنی اسرائیل میں ''عمران'' دو عظیم شخصیتوں کے نام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں پر غالباً حضرت موسیٰؑ کے والد مراد ہیں۔ لیکن آگے چونکہ حضرت مریمؑ اور عیسیٰؑ کا تذکرہ آ رہا ہے' لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں پر حضرت مریمؑ کے والد کی طرف اشارہ ہو۔

آیت ۳۴ ﴿ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ﴾ ''یہ ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں۔''

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہیں' اور پھر حضرت ابراہیمؑ کا پورا خاندان بنی اسماعیل' بنی اسرائیل اور آلِ عمران ان کی اولاد میں سے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۳۴﴾ ''اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا﴾ ''جب کہا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے ربّ! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں تیری ہی نذر کرتی ہوں' ہر ذمہ داری سے چھڑا کر''

عمران کی بیوی یعنی حضرت مریمؑ کی والدہ بہت ہی نیک' متقی اور زاہدہ تھیں۔ جب ان کو حمل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کیا کہ پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے' جسے تو پیدا فرما رہا ہے' اسے میں تیری ہی نذر کرتی ہوں۔ ہم اس پر دُنیوی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس کو خالصتاً ہیکل کی خدمت کے لیے' دین کی خدمت کے لیے' تورات کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ ہم اپنا بھی کوئی بوجھ اس پر نہیں ڈالیں گے۔ انہیں یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا۔ مُحَرَّرًا کے معنی ہیں ''اسے آزاد کرتے ہوئے''۔ یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور اسے ہم تیرے لیے خالص کر دیں گے۔

﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ﴾ ''پس تو اس کو میری طرف سے قبول فرما!''

اے اللہ تو میری اس نذر کو شرفِ قبول عطا فرما۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۳۵﴾ ''یقیناً تو سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ﴾ ''تو جب اسے وضع حمل ہوا تو اس نے کہا اے میرے ربّ! یہ تو میں ایک لڑکی جَن گئی ہوں۔''

یعنی میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہو گئی ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ بیٹا پیدا ہو گا تو میں اس کو وقف کر دوں گی۔ اُس وقت تک ہیکل کے خادموں میں کسی لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ﴾ ''اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے۔''

اسے کیا پتا تھا کہ اس نے کیسی بیٹی جنی ہے!

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾ ''اور نہیں ہوگا کوئی بیٹا اس بیٹی جیسا!''

اس جملے کے دونوں معنی کیے گئے۔ اوّلاً: اگر یہ قول مانا جائے حضرت مریمؑ کی والدہ کا تو ترجمہ یوں ہوگا: ''اور لڑکا لڑکی کی مانند تو نہیں ہوتا''۔ اگر لڑکا ہوتا تو میں اُسے خدمت کے لیے وقف کر دیتی' یہ تو لڑکی ہوگئی ہے۔ ثانیاً: اگر اس قول کو اللہ کی طرف سے مانا جائے تو مفہوم یہ ہو گا کہ کوئی بیٹا ایسا ہو ہی نہیں سکتا جیسی بیٹی تو نے جنم دی ہے۔ اور اب مریمؑ کی والدہ کا کلام شروع ہوا:

﴿وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے''

﴿وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ ''اور (اے پروردگار!) میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود (کے حملوں) سے۔''

اے اللہ! تو اس لڑکی (مریمؑ) کو بھی اور اس کی آنے والی اولاد کو بھی شیطان کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھیو!

آیت ۳۷ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ ''تو قبول فرما لیا اُس کو (یعنی حضرت مریمؑ کو) اس کے ربّ نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ''

شرفِ قبول عطا فرمایا بڑے ہی خوبصورت انداز میں۔

﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ ''اور اس کو پروان چڑھایا بہت اعلیٰ طریقے پر''

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ ''اور اس کو زکریاؑ کی کفالت میں دے دیا۔''

حضرت زکریا علیہ السلام ان کے سرپرست مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرتِ مریمؑ کی کفالت و تربیت کی ذمہ داری اٹھائی۔ وہ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ آپؑ وقت کے نبی تھے اور اسرائیلی اصطلاح میں ہیکل سلیمانی کے کاہن اعظم (Chief Priest) بھی تھے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ﴾ ''جب کبھی بھی زکریاؑ ان کے پاس جاتے تھے محراب میں''

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ''تو ان کے پاس رزق پاتے۔''

''محراب'' سے مراد وہ گوشہ یا حجرہ ہے جو حضرت مریمؑ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

حضرت زکریاؑ اُن کی دیکھ بھال کے لیے اکثر ان کے حجرے میں جاتے تھے۔ آپؑ جب بھی حجرے میں جاتے تو دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور بغیر موسم کے پھل موجود ہوتے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ یہاں رزق سے مراد مادی کھانا نہیں' بلکہ علم وحکمت ہے کہ جب حضرت زکریاؑ ان سے بات کرتے تھے تو حیران رہ جاتے تھے کہ اس لڑکی کو اس قدر حکمت اور اتنی معرفت کہاں سے حاصل ہوگئی ہے؟

﴿قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا﴾ ''وہ پوچھتے اے مریمؑ! تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں؟''

یہ انواع واقسام کے کھانے اور بے موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آجاتے ہیں؟ یا یہ علم وحکمت اور معرفت کی باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوتی ہیں؟

﴿قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ﴾ ''وہ کہتی تھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

یہ سب اس کا فضل اور اس کا کرم ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب عطا کرتا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهٗ﴾ ''(حضرت زکریاؑ کو یہ مشاہدہ ہوا تو انہوں نے) اُسی وقت اپنے پروردگار سے ایک دعا کی۔''

﴿قَالَ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً﴾ ''انہوں نے کہا: اے میرے ربّ! تو مجھے بھی اپنی جناب سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے' ان کی اہلیہ بھی بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اور ساری عمر بانجھ رہی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ مضامین سورۂ مریم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مکی دور میں جبکہ مسلمان ہجرتِ حبشہ کے لیے گئے تھے' تو وہاں جا کر نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ اس مناسبت سے یہ مضامین سورۂ مریم میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ ساری عمر بے اولاد رہے تھے' لیکن حضرت مریمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اولاد کی جو خواہش ان کے اندر دبی ہوئی تھی وہ چنگاری دفعتہً بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عرض

کیا کہ اے اللہ! تو اس بچی کو یہ سب کچھ دے سکتا ہے تو اپنی قدرت سے مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے!

﴿اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ﴿۳۸﴾﴾ ''یقیناً تو دعا کا سننے والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَنَادَتۡہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَہُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ﴾ ''تو فرشتوں نے انہیں ندا دی جبکہ وہ اپنے حجرے میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے''

﴿اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے یحییٰؑ کی''

﴿مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''جو تصدیق کرے گا اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی''

اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کے لیے آیت ۴۴ میں ''بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ'' کا لفظ آ رہا ہے۔

﴿وَسَیِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴿۳۹﴾﴾ ''اور سردار ہو گا اور تجرد کی زندگی گزارے گا اور نبی ہو گا صالحین میں سے۔''

یہاں نوٹ کر لیجیے کہ آخری لفظ جو حضرت یحییٰؑ کی مدح کے لیے آیا ہے وہ ''نبی'' ہے۔

آیت ۴۰ ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ﴾ ''(زکریاؑ نے) کہا: پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا؟''

ابھی خود دعا کر رہے تھے، لیکن اللہ کی طرف سے بیٹے کی بشارت ملنے پر غالباً اس کی توثیق اور re-assurance چاہ رہے ہیں کہ میرے ہاں کیسے بیٹا ہو جائے گا؟

﴿وَّقَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ﴾ ''جبکہ میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں''

﴿وَامۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ﴾ ''اور میری بیوی بانجھ رہی ہے۔''

﴿قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ﴿۴۰﴾﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اسے اسباب کی احتیاج نہیں ہے۔ اسباب اس کے محتاج ہیں، اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ﴾ ''انہوں نے عرض کیا: پروردگار! میرے (اطمینان کے) لیے کوئی نشانی مقرر کر دیں۔''

مجھے معلوم ہو جائے کہ واقعی ایسا ہونا ہے اور یہ کلام جو میں سن رہا ہوں واقعتاً تیری طرف سے ہے۔

﴿قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ اب تم تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے سوائے اشارے کنائے کے۔''

یعنی ان کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی اور اب وہ تین دن کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔

﴿وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا﴾ ''اور (اپنے دل میں) اپنے ربّ کو کثرت سے یاد کرتے رہو''

﴿وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ﴾ ''اور تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔''

آیات ۴۲ تا ۵۴

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَیُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ

كَهَيْـئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴﴾

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ بیان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو شدید ضعیفی کی عمر میں ایک بانجھ اور بوڑھی عورت سے حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا دے دیا۔ تو کیا یہ عام قانون کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے یہ بھی تو معجزہ تھا۔ اسی طرح اس سے ذرا بڑھ کر ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ اب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ کہا فرشتوں نے اے مریمؑ''

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲﴾ ''یقیناً اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمہیں تمام جہان کی خواتین پر ترجیح دی ہے۔''

آیت ۴۳ ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾ ''اے مریمؑ! اپنے ربّ کی فرماں برداری کرتی رہو''

﴿وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳﴾ ''اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

یعنی نمازِ باجماعت کے اندر شریک ہو جایا کرو۔

آیت ۴۴ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو

(اے محمد ﷺ!) ہم آپ کو وحی کر رہے ہیں۔''

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ ''اور آپ تو ان کے پاس موجود نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے (یہ طے کرنے کے لیے) کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل ہوگا۔''

جب حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی والدہ نے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کیا تو ہیکل کے کاہنوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ بچی میری تحویل میں ہو، اس کی تربیت اور پرورش کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے جسے اللہ کے نام پر وقف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے وہ اپنے قلم پھینک کر کسی طرح قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس میں اللہ نے حضرت زکریاؑ کا نام نکال دیا۔ یہاں اثنائے کلام میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ تو اُس وقت وہاں نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی سے یہ معاملہ طے کر رہے تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ ''اور نہ آپ اُس وقت ان کے پاس موجود تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

آیت ۴۵ ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ﴾ ''یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریمؑ! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی''

تمہیں اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی کی ولادت کی خوشخبری دے رہا ہے جو اُس کی جانب سے ایک خاص کلمہ ہوگا۔

﴿اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ''اس کا نام ہوگا المسیح، عیسیٰ مریم کا بیٹا''

﴿وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ ''مرتبے والا ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ کے بہت ہی مقربین بارگاہ میں سے ہوگا۔''

آیت ۴۶ ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ''اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گود میں بھی اور پوری عمر کا ہو کر بھی''

کہولت چالیس برس کے بعد آتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع سماوی ۳۳ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ گویا اس آیت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اور اس سے اندازہ کر لیجیے کہ یہ

بات کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ پوری عمر کو پہنچ کر تو سبھی بولتے ہیں' یہاں اس کا اشارہ کیوں کیا گیا؟ اس لیے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ پر موت ابھی وارد نہیں ہوئی' بلکہ وہ واپس آئیں گے' دنیا میں دوبارہ اتریں گے' پھر ان کی کہولت کی عمر بھی ہوگی۔ وہ شادی بھی کریں گے' ان کی اولاد بھی ہوگی اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو پوری دنیا میں قائم کرے گا۔

﴿وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ ''اور وہ ہمارے نیکوکار بندوں میں سے ہوگا۔''

آیت ۴۷ ﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ﴾ ''(حضرت مریمؑ نے یہ بات سنی تو تعجب سے) بولی: اے اللہ! میرے اولاد کیسے ہو جائے گی جبکہ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا!''

﴿قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ﴾ ''فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ تخلیق فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔''

وہ اپنے بنائے ہوئے قوانین فطرت کا پابند نہیں ہے۔ اگرچہ عام ولادت اسی طرح ہوتی ہے کہ اس میں باپ کا بھی حصہ ہوتا ہے اور ماں کا بھی' لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب اور وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں ہے' وہ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

﴿اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ ''وہ تو جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو سکھائے گا کتاب اور حکمت بھی اور تورات اور انجیل بھی۔''

یہاں پر چار چیزوں کا ذکر آیا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو تعلیم دی: کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل۔ ان چار چیزوں کے مابین جو تین ''و'' آئے ہیں ان میں سے دو واوِ عطف ہیں' جبکہ درمیانی ''و'' واوِ تفسیر ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ''اللہ ان کو سکھائے گا کتاب اور حکمت یعنی تورات اور انجیل''۔ اس لیے کہ تورات میں صرف احکام تھے' حکمت نہیں تھی اور انجیل میں صرف حکمت ہے' احکام نہیں ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو سمجھ لینے سے یہ گتھی حل ہوتی ہے اور اسے سمجھے بغیر لوگوں کے ذہنوں میں الجھنیں رہتی ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَرَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ۙ﴾ ''اور اُس کو رسول بنا کر بھیجے گا بنی اسرائیل کی طرف''

اب یہ جو دو بیک وقت آنے والی (contemporary) اصطلاحات ہیں ان کو نوٹ کر لیجیے۔ حضرت یحییٰؑ کے بارے میں تمام توصیفی کلمات کے بعد آخری بات یہ فرمائی: ﴿نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''نبی ہوں گے صالحین میں سے''۔ جبکہ حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَرَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ۙ﴾ یعنی بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئیں گے۔ نبی اور رسول میں یہ فرق نوٹ کر لیجیے کہ حضرت یحییٰؑ صرف نبی تھے اس لیے وہ قتل بھی کر دیے گئے' جبکہ حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور رسول قتل نہیں ہو سکتے' اس لیے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ یہ بہت اہم مضمون ہے۔ مطالعۂ قرآن حکیم کے دوران اس کے اور بھی حوالے آئیں گے۔

﴿اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ﴾ ''(چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں''

ابھی تک گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ساری خوشخبریاں دی گئیں۔ اب یوں سمجھئے کہ قصہ مختصر' ان کی ولادت ہوئی' وہ پلے بڑھے' یہ ساری تاریخ بیچ میں سے حذف کر کے نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اب حضرت مسیحؑ نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا۔ آپؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔

﴿اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ﴾ ''کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مانند صورت بناتا ہوں''

﴿فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ﴾ ''پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے اڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔''

یہاں آپ نوٹ کرتے جائیے کہ ہر معجزے کے بعد ''بِاِذْنِ اللّٰہِ'' فرمایا۔ یعنی یہ میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے' میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے۔

﴿وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ﴾ ''اور میں شفا دے دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو بھی اور کوڑھی کو بھی' اور میں مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے

حکم سے۔''

﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾ ''اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''یقیناً اُن تمام چیزوں میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

حضرت مسیحؑ نے اپنی رسالت کی صداقت اور دلیل کے طور پر یہ تمام معجزات پیش فرمائے۔

آیت ۵۰ ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''اور میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے''

﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ میں حلال ٹھہرادوں تم پر ان میں سے بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔''

یہ اصل میں ''سبت'' کے حکم کے بارے میں اشارہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض مذہبی مزاج کے لوگوں میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دین کے احکام میں غلو کرتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح سبت کے حکم میں یہودیوں نے اس حد تک غلو کر لیا تھا کہ اس روز کسی مریض کے لیے دعا کرنا کہ اللہ اسے شفا دے دے، یہ بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بھی دنیا کا کام ہے۔ چنانچہ وہ اس معاملے میں ایک انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے آ کر اس کی وضاحت کی کہ اس طرح کی چیزیں سبت کے تقاضوں میں شامل نہیں ہیں۔

﴿وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اور میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ ''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۵۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ﴾ ''یقیناً اللہ ہی میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے، پس اُسی کی بندگی کرو۔''

﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ''یہی سیدھا راستہ ہے۔''

یہی الفاظ سورۂ مریم (آیت ۳۶) میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ ''پس جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف

سے کفر کو بھانپ لیا''

﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾ ''تو انہوں نے پکار لگائی کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟''

یہاں پھر درمیانی عرصے کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے حضرت مسیحؑ کو کئی سال بیت چکے تھے۔ اس دعوت سے جب علماءِ یہود کی مسندوں کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان کی چودھراہٹیں خطرے میں پڑ گئیں تو انہوں نے حضرت مسیحؑ کی شدید مخالفت کی۔ اُس وقت تک یہودیوں پر ان کے علماء کا اثر ورسوخ بہت زیادہ تھا۔ جب آپؑ نے ان کی طرف سے کفر کی شدت کو محسوس کیا کہ اب یہ ضد اور مخالفت پر تل گئے ہیں۔ تو آپؑ نے ایک پکار لگائی' ایک ندا دی' ایک دعوتِ عام دی کہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہیں؟ یعنی اب جو کشاکش ہونے والی ہے' جو تصادم ہونے والا ہے اس میں ایک ''حزب اللہ'' بنے گی اور ایک ''حزب الشیطان'' ہو گی۔ اب کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں اس جدوجہد اور کشاکش میں؟ دین کا کام کرنے کے لیے یہی اصل اساس ہے۔ اسی بنیاد پر کوئی شخص اٹھے کہ میں دین کا کام کرنا چاہتا ہوں' کون ہے کہ جو میرا ساتھ دے؟ یہ جماعت سازی کا ایک بالکل طبعی طریقہ ہوتا ہے۔ ایک داعی اٹھتا ہے اور اُس داعی پر اعتماد کرنے والے' اُس سے اتفاق کرنے والے لوگ اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ ذاتی اعتبار سے اُس کے ساتھی نہیں ہوتے' اس کی حکومت اور سرداری قائم کرنے کے لیے نہیں' بلکہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

﴿قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ ''کہا حواریوں نے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

''حواری'' کے اصل معنی دھوبی کے ہیں جو کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ یہ لفظ پھر آگے بڑھ کر اپنے اخلاق اور کردار کو صاف کرنے والوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حضرت مسیحؑ کی تبلیغ زیادہ تر گلیلی جھیل کے کناروں پر ہوتی تھی' جو سمندر کی طرح بہت بڑی جھیل ہے۔ آپؑ کبھی وہاں کپڑے دھونے والے دھوبیوں میں تبلیغ کرتے تھے اور کبھی مچھلیاں پکڑنے والے مچھیروں کو دعوت دیتے تھے۔ آپؑ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے مچھلیوں کا شکار کرنے والو! آؤ' میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں''۔ آپؑ نے دھوبیوں میں تبلیغ کی تو ان میں

سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ ہم آپ کی جدوجہد میں اللہ کے مددگار بننے کو تیار ہیں۔ یہ آپؑ کے اوّلین ساتھی تھے جو ''حواری'' کہلاتے تھے۔اس طرح حواری کا لفظ ساتھی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾ ''ہم ایمان لائے اللہ پر۔''

﴿وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲﴾ ''اور آپؐ بھی گواہ رہیے گا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں''۔

آیت ۵۳ ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ﴾ ''اے ربّ ہمارے! ہم ایمان لے آئے اُس پر جو تو نے نازل فرمایا''

﴿وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ﴾ ''اور ہم اتباع کر رہے ہیں تیرے رسول کا''

﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳﴾ ''پس تو ہمارا نام گواہوں میں لکھ لے۔''

یہی لفظ ''گواہ'' اب عیسائیوں کے ایک خاص فرقے کی طرف سے (Jehova's Witnesses) اختیار کیا گیا ہے۔لفظ یھوہ (Jehova) عبرانی میں خدا کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو ''خدا کے گواہ'' کہتے ہیں۔سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔تو یہ لفظ ''شاہد'' (گواہ) قدیم ہے اور اسلامی حکمت اور اسلام کی مصطلحات میں اس کی ایک حیثیت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔''

یہود کے علماء اور فریسی حضرت مسیحؑ کے خلاف مختلف چالیں چل رہے تھے کہ کسی طرح یہ قانون کی گرفت میں آ جائیں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ان لوگوں نے آنجنابؑ کو مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا تھا' لیکن ملک پر سیاسی اقتدار چونکہ رومیوں کا تھا لہٰذا رومی گورنر کی توثیق (sanction) کے بغیر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔ملک کا بادشاہ اگرچہ ایک یہودی تھا لیکن اس کی حیثیت کٹھ پتلی بادشاہ کی تھی' جیسے انگریزی حکومت کے تحت مصر کے شاہ فاروق ہوتے تھے۔یہود کی مذہبی عدالتیں موجود تھیں جہاں ان کے علماء' مفتی اور فریسی

بیٹھ کر فیصلے کرتے تھے' اور اگر وہ سزائے موت کا فیصلہ دے دیتے تھے تو اس فیصلے کی تنفیذ (execution) رومی گورنر کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس صورت حال میں علماءِ یہود کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ حضرت مسیحؑ کو رومی قانون کی زد میں لانے کے لیے اپنی سی چالیں چل رہے تھے۔ وہ آنجنابؑ سے اس طرح کے الٹے سیدھے سوالات کرتے کہ آپؑ کے جوابات سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ شخص رومی حکومت کا باغی ہے۔

یہود کی ان چالوں کا توڑ کرنے کے لیے اللہ نے اپنی چال چلی۔ اب اللہ کی چال کیا تھی؟ اس کی تفصیل قرآن یا حدیث میں نہیں ہے' بلکہ ''انجیل برنباس'' میں ہے جو پوپ کی لائبریری سے برآمد ہوئی تھی۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک حواری یہودا کو یہود نے رشوت دے کر اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ آپؑ کی مخبری کر کے گرفتار کرائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غدار حواری کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بدل دی اور وہ خود گرفتار ہو کر سولی چڑھ گیا۔ حضرت مسیحؑ پر وہ ہاتھ ڈال ہی نہیں سکے۔ حضرت مسیحؑ ایک باغ میں روپوش تھے اور باغ کے اندر بنی ہوئی ایک کوٹھڑی میں رات کے وقت عبادت میں مشغول تھے' جبکہ آپؑ کے بارہ حواری باہر موجود تھے۔ اُس وقت وہ شخص وہاں سے چپکے سے سٹک گیا اور جا کر سپاہیوں کو لے آیا تا کہ آپؑ کو گرفتار کرا سکے۔ یہ رومی سپاہی تھے اور قندیلیں لے کر آئے تھے۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ میں اندر جاؤں گا' جس شخص کو میں کہوں ''اے ہمارے استاد'' بس اسی کو پکڑ لینا' وہی مسیحؑ ہیں۔ اس لیے کہ رومیوں کو کیا پتا تھا کہ مسیحؑ کون ہیں؟ یہ شخص جیسے ہی کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا اُسی وقت کوٹھڑی کی چھت پھٹی اور چار فرشتے نازل ہوئے' جو حضرت مسیحؑ کو لے کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل تبدیل کر دی اور حضرت مسیحؑ والی شکل بنا دی۔ اب یہ گھبرا کر باہر نکلا تو دوسرے حواریوں نے اُس سے کہا ''اے ہمارے استاد!'' یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اسے قابو کر لیا اور اصل میں یہی شخص سولی چڑھا ہے' نہ کہ حضرت مسیحؑ۔ یہ ساری تفاصیل انجیل برنباس میں موجود ہیں۔ یہ شہادت درحقیقت نصاریٰ ہی کے گھر سے ہمیں ملی ہے اور قرآن کا جو بیان ہے اس میں یہ پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے کہ ''انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں اور اللہ نے اپنی چال چلی''۔

﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔''

آیات ۵۵ تا ۶۳

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۳﴾﴾

آیت ۵۵ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ ’’یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں‘‘

لفظ ’’مُتَوَفِّیْكَ‘‘ کو قادیانیوں نے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے بہت بڑی بنیاد بنایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ وَفٰی کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرو۔ اسی سے باب تفعیل میں وَفّٰی . یُوَفِّیْ . تَوْفِیَةً کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا۔ جیسا کہ آیت ۲۵ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۫ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ’’تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں! اور ہر

جان کو پورا پورا بدلہ اس کے اعمال کا دے دیا جائے گا اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی''۔ باب تفعّل میں تَوَفّٰی. یَتَوَفّٰی کا معنی ہوگا کسی کو پورا پورا لے لینا۔ اور یہ لفظ گویا بتمام وکمال منطبق ہوتا ہے حضرت مسیحؑ پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم اور جان سمیت دُنیا سے لے گیا۔ ہم جب کہتے ہیں کہ کوئی شخص وفات پا گیا تو یہ استعارتاً کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا جسم تو یہیں رہ گیا صرف جان گئی ہے۔ اور یہی لفظ قرآن میں نیند کے لیے بھی آیا ہے: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ (الزمر:٤٢) ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اُس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے''۔ اس لیے کہ نیند میں بھی انسان سے خودشعوری نکل جاتی ہے' اگرچہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ روح کا تعلق خودشعوری کے ساتھ ہے۔ پھر جب انسان مرتا ہے تو روح اور جان دونوں چلی جاتی ہیں اور صرف جسم رہ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں حالتوں (نیند اور موت) کے لیے توفّی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ مکمل تَوَفّی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو ان کے جسم' جان اور روح تینوں سمیت' جوں کا توں' زندہ سلامت لے گیا۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کا یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے' اور جہاں تک لفظ ''تَوَفّی'' کا تعلق ہے اُس میں قطعاً کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے جس سے کوئی شخص آپؑ کی موت کی دلیل پکڑ سکے' سوائے اس کے کہ ان لوگوں کو بہکانا آسان ہے جنہیں عربی زبان کی گرامر سے واقفیت نہیں ہے اور وہ ایک ہی وفات جانتے ہیں' جبکہ از روئے قرآن تین قسم کی ''وفات'' ثابت ہوتی ہے' جس کی میں نے وضاحت کی ہے۔ آیت زیر مطالعہ کے متذکرہ بالا ٹکڑے کا ترجمہ پھر کر لیجیے: ''یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسٰیؑ میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں''۔

﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے (تمہارے ساتھ) کفر کیا ہے''

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور غالب کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری پیروی کریں گے قیامت تک ان لوگوں پر جو تمہارا انکار کر رہے ہیں۔''

یہود جنہوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا اُس وقت سے لے کر موجودہ زمانے تک حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے مار کھاتے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ ۳۰ء یا ۳۳ء میں آسمان پر

اٹھا لیے گئے تھے اور اس کے بعد سے یہود پر عیسائیوں کے ہاتھوں مسلسل عذاب کے کوڑے برستے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا اور یروشلم میں ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے۔ گویا دو ہزار برس ہونے کو ہیں کہ ان کا کعبہ گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار (دیوارِ گریہ) باقی ہے جس پر جا کر یہ رو دھو لیتے ہیں۔

ہیکل سلیمانی اوّلاً بخت نصر نے چھٹی صدی قبل مسیح میں مسمار کیا تھا اور پورے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اُس نے لاکھوں یہودی تہ تیغ کر دیے تھے اور لاکھوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا۔ یہ ان کا اسارت (Captivity) کا دور کہلاتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں یہ فلسطین واپس آئے تھے اور ''معبد ثانی'' تعمیر کیا تھا' جو ۷۰ء میں منہدم کر دیا گیا اور انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ یہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ کوئی روس' کوئی ہندوستان' کوئی مصر اور کوئی یورپ چلا گیا۔ اس طرح یہ پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت یروشلم مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھلا شہر (open city) قرار دے دیا کہ یہاں مسلمان' عیسائی اور یہودی سب آ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی یروشلم میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ البتہ عیسائیوں نے اس معاہدے میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے یا جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے خلافت عثمانیہ کے دور تک اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا رہا اور یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہودیوں نے عثمانی خلفاء کو بڑی سے بڑی رشوتوں کی پیشکش کی' لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے سازشیں کیں اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کروا دیا۔ اس لیے کہ انہیں یہ نظر آتا تھا کہ اس خلافت کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہو گا کہ ہم کسی طرح بھی فلسطین میں دوبارہ آباد ہو سکیں۔ انہوں نے ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر بالفور (Balfor) کے ذریعے ''بالفور ڈیکلریشن'' منظور کرایا' جس میں ان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ فلسطین میں آ کر جائیداد بھی خرید سکتے ہیں اور آباد بھی ہو سکتے ہیں۔ اس ڈیکلریشن کی منظوری کے ۳۱ برس بعد اسرائیل کی ریاست وجود میں آ گئی۔ یہ تاریخ ذہن میں رہنی چاہیے۔

اب ایک طرح سے محسوس ہوتا ہے کہ یہودی دنیا بھر میں سیاست اور اقتدار پر چھائے ہوئے ہیں' تعداد میں ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہونے کے باوجود اس وقت دنیا کی معیشت کا بڑا حصہ ان کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ عیسائیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ہے۔ اگر عیسائی ان کی مدد نہ کریں تو عرب ایک دن میں ان کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیں۔ اِس وقت پوری امریکی حکومت ان کی پشت پر ہے' بلکہ White Anglo Saxon Protestants یعنی امریکہ اور برطانیہ تو گویا ان کے زرخرید ہیں۔ دوسرے عیسائی ممالک بھی ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ بہرحال اب بھی صورت حال یہ ہے کہ اوپر تو عیسائی ہی ہیں اور یہ معنوی طور پر سازشی انداز میں نیچے سے انہیں کنٹرول کر رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ﴿۵۵﴾﴾ ''پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہوگا اور میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے مابین ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کر رہے تھے''۔

آیت ۵۶ ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ﴾ ''تو وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کریں گے میں انہیں عذاب دوں گا بہت سخت عذاب دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿وَّمَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ﴿۵۶﴾﴾ ''اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار۔''

آیت ۵۷ ﴿وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے''

﴿فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ﴾ ''تو وہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا۔''

دیکھئے یہاں پھر وفّیٰ یُوَفِّی آیا ہے۔ یعنی پورا پورا دے دینا۔

﴿وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۵۸ ﴿ذٰلِکَ نَتۡلُوۡہُ عَلَیۡکَ مِنَ الۡاٰیٰتِ وَ الذِّکۡرِ الۡحَکِیۡمِ﴿۵۸﴾﴾ ''یہ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیاتِ الٰہیہ اور پُرحکمت یاددہانی میں سے۔''

یہاں بھی گویا پس منظر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی آیات اور ذکر حکیم نبی اکرم ﷺ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

آیت ۵۹ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے۔''

﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝۵۹﴾ ''اُس کو مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔''

قرآن مجید کی یہ آیت ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو حضرت آدمؑ کی خصوصی تخلیق (special creation) کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت آدمؑ کا چناؤ ارتقاء (evolution) کے نتیجے میں کسی نوع (species) کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں ہوا بلکہ براہِ راست مٹی سے تخلیق کیے گئے۔ تخلیق آدمؑ کے ضمن میں یہ دونوں نظریے ملتے ہیں اور دونوں کے بارے میں دلائل بھی موجود ہیں۔ ابھی یہ کوئی طے شدہ حقائق نہیں ہیں۔ ہم غور و فکر کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے کس مقام پر کس نظریے کے لیے کوئی تائید یا توثیق ملتی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک تو عیسیٰؑ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آدمؑ کی۔ اسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو جا تو وہ ہو گیا''۔ تو اب اگر آدمؑ کا معاملہ خصوصی تخلیق کا ہے کہ بغیر باپ کے اور بغیر ماں کے پیدا ہو گئے تو کیا وہ ''الٰہ'' بن گئے؟ ان کا خالق تو اللہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو خدا کیسے بن گئے؟ ان کی والدہ کو حمل ہوا ہے' نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہے ہیں' پھر ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ تو تخلیق میں ان کا معاملہ اعجاز کے اعتبار سے حضرت آدمؑ سے تو کم ہی رہا ہے۔ اور اس سے کم تر معاملہ حضرت یحییٰؑ کا ہے کہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے حضرت زکریاؑ اور ان کی اہلیہ جو ساری عمر بانجھ رہیں' اللہ نے ان کو اولاد دے دی۔ تو یہ سارے معجزات ہیں' اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اس میں کسی کی الوہیت کی دلیل نہیں نکلتی۔

آیت ۶۰ ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝۶۰﴾ ''یہ حق ہے آپؐ کے ربّ کی طرف سے' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔''

یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں اصل حقیقت یہی ہے جو قرآن نے واضح کر دی ہے' باقی سب نصاریٰ کی افسانہ طرازی ہے۔ اور یہ جو فرمایا: ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝۶۰﴾ اس میں خطاب بظاہر رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر روئے سخن مخاطبین سے ہے۔

آیت ۶۱ ﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ)

جو بھی اس معاملے میں آپؐ سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے''

آپؐ کے پاس تو ''العلم'' آ چکا ہے' آپؐ جو بات کہہ رہے ہیں علیٰ وجہ البصیرۃ کہہ رہے ہیں۔ اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر نصاریٰ آپؐ سے حجت بازی کر رہے اور بحث و مناظرہ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں ہیں تو ان کو آخری چیلنج دے دیجیے کہ یہ آپؐ کے ساتھ ''مباہلہ'' کر لیں۔ نجران سے نصاریٰ کا جو ۷۰ افراد پر مشتمل وفد ابو حارثہ اور ابن علقمہ جیسے بڑے بڑے پادریوں کی سرکردگی میں مدینہ آیا تھا' اس سے دعوت و تبلیغ اور تذکیر و تفہیم کا معاملہ کئی دن تک چلتا رہا اور پھر آخر میں رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اگر یہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہیں ہوتے تو انہیں مباہلے کی دعوت دے دیجیے۔

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ﴾ 'پس آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ' ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو'

﴿وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ﴾ ''اور ہم (بلا لیتے ہیں) اپنی عورتوں کو اور تم (بلاؤ) اپنی عورتوں کو'

﴿وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ﴾ ''اور ہم بھی آ جاتے ہیں اور تم بھی آ جاؤ!''

﴿نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ ''پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔''

ہم سب جمع ہو کر اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ اے اللہ! جو ہم میں سے جھوٹا ہو' اس پر لعنت کر دے۔ یہ مباہلہ ہے۔ اور یہ مباہلہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ احقاقِ حق ہو چکے' بات پوری واضح کر دی جائے۔ آپ کو یقین ہو کہ میرا مخاطب بات پوری طرح سمجھ گیا ہے' صرف ضد پر اڑا ہوا ہے۔ اس وقت پھر یہ مباہلہ آخری شے ہوتی ہے تاکہ حق کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔ اگر تو مخالف کو اپنے موقف کی صداقت کا یقین ہے تو وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لے گا' اور اگر اس کے دل میں چور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق بات تو یہی ہے جو واضح ہو چکی ہے تو پھر وہ مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مباہلہ کی دعوت سن کر وفد نجران نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے بڑوں نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے کہا: ''اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمدؐ نبی

مرسل ہیں اور حضرت مسیحؑ کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذابِ الٰہی سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں' کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

آیت ۶۲ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ ''یقیناً یہی بالکل صحیح سرگزشت ہے۔''

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۲﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۳﴾ ''پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مفسدوں کو۔''

یہاں آ کر اس سورۂ مبارکہ کے نصف اول کا پہلا اور دوسرا حصہ مکمل ہو گیا' جو ۳۲+۳۱=۶۳ آیات پر مشتمل ہے۔

۞۞۞

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 30 روپے اشاعت عام: 20 روپے

عالم اسلام پر یہود و نصاریٰ کی سازشیں

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۲۱ر نومبر ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

بمقام قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ (الانشقاق)

مینارِ پاکستان کے سبزہ زار میں ۴ نومبر کو میں نے جو خطاب کیا تھا اس کے مضامین کی سلسلہ وار وضاحت ان خطاباتِ جمعہ میں جاری ہے۔ ۷ نومبر کے خطابِ جمعہ میں اس خطاب کا پہلا حصہ بیان ہو گیا تھا۔ اِس وقت اس کا اعادہ مقصود نہیں ہے' لیکن میں نے اپنی اس تقریر کے لیے جن آیاتِ قرآنیہ کا انتخاب کیا تھا' اس کے حوالے سے کچھ مزید عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سورۃ المدثر کی جن آیات پر گفتگو کی گئی تھی ان میں اللہ تعالیٰ نے چاند' رات اور صبح کی قسمیں کھائی ہیں۔ یہی معاملہ ہمیں سورۃ الانشقاق میں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سورتوں کے درمیان میں قسمیں کھائی ہیں۔ قرآن حکیم میں عام طور پر قسمیں سورتوں کے شروع میں ہوتی ہیں۔ مثلاً سورۃ الفجر کا آغاز ہوتا ہے: ﴿وَالۡفَجۡرِ ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ﴿۳﴾﴾ سورۃ العصر کا آغاز بھی قسم

سے ہوتا ہے: ﴿وَالْعَصْرِ ①﴾ سورۃ التین کے شروع میں ہے: ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③﴾ تو عام طور پر سورتوں کے آغاز میں قسمیں کھائی جاتی ہیں' لیکن کچھ استثناءات ہیں' جن میں سے یہ دو مقامات بہت اہم ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ان دو مقامات کے ضمن میں مجھے جو ایک وجدانی (intutional) تأثر حاصل ہوا ہے وہ میں بیان کر رہا ہوں' اسے آپ ان آیات کی تفسیر نہ سمجھیں۔

میرے نزدیک سورۃ المدثر کی آیات میں بعثتِ محمدیؐ کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ ㉜﴾ ''ہرگز نہیں' قسم ہے چاند کی''۔ آنحضورﷺ کی بعثت سے پہلے جو ہدایتِ نبوت تھی وہ گویا چاند کی مانند تھی۔ ابھی نبوت و رسالت کا تدریجاً ارتقاء ہو رہا تھا۔ پھر ایک بڑی طویل رات آئی' جو چھ سو برس پر محیط تھی' جس میں کوئی نبی' کوئی رسول دنیا میں موجود نہیں تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمدٌ رسول اللہﷺ کی بعثت کا درمیانی زمانہ ہے۔ ﴿وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ㉝﴾ ''اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ پیٹھ موڑ کر چل دے''۔ اب جبکہ نبی اکرمﷺ کی بعثت ہوئی ہے تو وہ رات اب گویا پیٹھ موڑ کر جا رہی ہے' اس کی روانگی ہے۔ ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ㉞﴾ ''اور قسم ہے صبح کی جبکہ وہ روشن ہو جائے''۔ یعنی خورشید نبوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اب طلوع ہو گیا ہے۔ ہدایتِ نبوت اب گویا سورج کی مانند ہے۔ وہ چاند کا معاملہ تھا' یہ اب خورشید نبوتِ محمدیؐ ہے۔ اور فرمایا: ﴿نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ㊱﴾ ''یہ خبردار کرنے کے لیے ہے پوری نوعِ انسانی کو''۔ آنحضورﷺ کی بعثت کسی خاص قوم کے لیے نہیں تھی بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے تھی۔ چنانچہ بعد میں واضح کیا گیا: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸) ''اور (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ان آیاتِ مبارکہ کا بعثتِ محمدیؐ سے تعلق اس سے بھی ظاہر ہے کہ سورۃ المدثر کے شروع میں آنحضورﷺ کی بعثت ہی کا ذکر ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③﴾.

گزشتہ خطاب کا تکملہ

آج کے موضوع سے متعلق کچھ گفتگو گزشتہ خطاب جمعہ میں ہو چکی ہے' لیکن اس میں کچھ خلا رہ گئے تھے جنہیں میں آج پورا کروں گا۔ سورۃ المدثر اور سورۃ الانشقاق میں تین تین قسمیں کھائی گئی ہیں اور دونوں مقامات پر رات اور چاند کا ذکر ہے۔ یہ ان دونوں مقامات میں مشابہت کا پہلو ہے۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر خورشید نبوت طلوع ہو گیا' لیکن اس کے بعد جلد ہی ایک زوال کا آغاز ہو گیا' جیسا کہ حضور ﷺ نے خود فرما دیا تھا:

((بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ))(۱)

''اسلام کی جب ابتدا ہوئی تھی تو یہ اجنبی تھا' اور پھر ویسے ہی اجنبی ہو جائے گا جیسے ابتدا میں تھا۔ پس ایسے اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے۔''

چنانچہ خلافت راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی اسلام کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ اس لیے کہ خلافت کا نظام شورائی نظام تھا' مسلمانوں کے مشورے سے اہل ترین آدمی خلیفہ مقرر ہوتا تھا' کوئی موروثی نظام تو نہیں تھا۔ لیکن اب وہ ملوکیت کا دور آ گیا تو گویا ایک منزل گر گئی۔ پھر رفتہ رفتہ زوال میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تو اس اعتبار سے آج سے تین سو برس قبل ایک وقت وہ آیا کہ گویا خورشید نبوتِ محمدیؐ غروب ہو گیا۔ البتہ اس کی صرف شفق کی لالی باقی رہ گئی۔ اسلام بحیثیت دین پوری دنیا میں کہیں نہیں رہا' بلکہ اس کی حیثیت مذہب کی رہ گئی۔ اسلام بحیثیت مذہب انگریز کے دور میں بھی ہر جگہ رہا ہے۔ یورپی استعمار کے دور میں بھی کسی نے نماز' روزے پر پابندی نہیں لگائی۔ لیکن بحیثیت دین اسلام کا آفتاب آج سے تین سو برس قبل غروب ہو گیا۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد بھی شفق کی روشنی کچھ دیر تک رہتی ہے۔ اب گویا دنیا میں جو نبوت کی تعلیم باقی رہ گئی تھی وہ شفق کی مانند تھی:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾﴾

اس کے بعد جو رات شروع ہوئی ہے اس نے اپنے اندر بہت کچھ سمیٹ لیا ہے۔

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا و سیعود غریبا.....

اس کے دو پہلو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ تین سو برس سے نوعِ انسانی پر طاری اس طویل رات میں پہلا کام یہ ہوا کہ اُمت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام غلام ہوگئی۔ یورپی استعمار نے انڈونیشیا سے لے کر مراکو تک اپنے پنجے گاڑ دیے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے آغاز میں سلطنت عثمانیہ بھی ختم ہوگئی۔ اس رات کی سیاہی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے دوران دُنیا میں دجالیت نے اپنا تانا بانا بُنا ہے۔ یہ جو فرمایا گیا: ﴿وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ﴾ ''اور قسم ہے رات کی اور جو کچھ اس نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے''۔ اس کے بارے میں عام مفسرین نے لکھا ہے کہ رات کے وقت چور ڈاکو بھی نکل آتے ہیں' وحوش اور درندے بھی جنگل میں نکل آتے ہیں۔ لیکن میں اس کے بارے میں اپنا وجدانی خیال آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ اس رات نے اپنے اندر کیا کچھ سمیٹا ہے اور اس پر مجھے بہت وثوق حاصل ہے۔

اس طویل رات میں دجالیت نے نوعِ انسانی پر جو تین پردے تان دیے ہیں ان کا ذکر میں گزشتہ خطاب میں کر چکا ہوں' لیکن یہ باتیں بار بار بیان کرنے اور یاد کرنے کی ہیں۔ سب سے اونچا پردہ ریاست اور سیاست کی سطح پر تانا گیا' جس کے تین اجزاء ہیں: (i) سیکولرزم۔ یعنی مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ii) عوامی حاکمیت۔ یعنی حاکمیت اللہ کی نہیں عوام کی ہے اور قانون سازی کا اختیار عوامی نمائندوں کو ہے' وہ جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ (iii) وطنی قومیت۔ یعنی کسی ایک محدود علاقے میں رہنے والے سب برابر کے شہری ہیں۔ یہ تینوں باتیں دین سے متصادم ہیں۔ دین تو مسلم اور غیر مسلم میں فرق کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں مسلم اور غیر مسلم کا سٹیٹس ہرگز برابر نہیں ہے۔ غیر مسلم ذمی یا معاہد ہوسکتا ہے' وہ برابر کا شہری نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کا اصل شہری مسلمان ہے۔ اس لیے کہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے' وہ معروف معنوں میں ایک قومی ریاست نہیں ہے۔

دجالیت کا دوسرا پردہ معاشی سطح پر ہے۔ یعنی سود اور جوئے پر مبنی معیشت' اور اس کے ساتھ ساتھ فحاشی وعصمت فروشی اور منشیات جیسے ذرائع آمدن کو قانونی تحفظ دینا۔

دجالیت کا تیسرا پردہ سماجی و معاشرتی سطح پر ہے کہ شرم و حیا اور عفت و عصمت جیسی اقدار کا خاتمہ اور بے حجابی' عریانی' بے شرمی اور بے حیائی کا فروغ۔ مزید برآں ہر اعتبار سے عورت اور مرد کی مکمل مساوات۔ عورت کو چراغِ خانہ کے بجائے شمع محفل کی حیثیت دینا۔ البتہ یہ تیسرا پردہ ابھی عالم اسلام پر پوری طرح نہیں چھایا۔ لیکن اس کے لیے بھرپور جدوجہد ہو رہی ہے اور این جی اوز کو اربوں ڈالرز دیے جا رہے ہیں۔ سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں حکومتی سطح پر اس ایجنڈے کی سرپرستی کی گئی اور وہ پالیسیاں اب بھی جاری ہیں۔ ہماری اپنی اسلامی نظریاتی کونسل سراسر غیر اسلامی سفارشات پیش کر رہی ہے۔ حال ہی میں اس کی سفارشات آئی ہیں کہ طلاق کے معاملے میں مرد اور عورت کو برابر کا حق ہونا چاہیے۔ اسلام کے نظام میں طلاق دینے کا حق مرد کو ہے' عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ہے۔ وہ عدالت کے ذریعے یا اپنے خاندان کے بزرگوں کے ذریعے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ وہ ان کو قائل کرے گی کہ میں اس شخص کے گھر میں نہیں بس سکتی اور اس کی یہ وجوہات ہیں۔ تب اس کو خلع مل جائے گا۔ اس کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب چونکہ دجالیت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے لہٰذا یہ سب کوششیں اس کو سبوتاژ کرنے کے لیے ہیں۔ اسی ایجنڈے پر کام کرتے ہوئے پرویز مشرف نے تمام سیاسی اداروں میں ہر سطح پر عورتوں کو ۳۳ فیصد نمائندگی دے ڈالی تھی۔ اس تناسب سے عورتوں کی نمائندگی دنیا میں کہیں بھی نہیں' نہ بھارت میں ہے نہ امریکہ میں۔ لیکن ہمیں تو گویا ان کی چشم ابرو کا اشارہ چاہیے کہ ہم آگے سے آگے نکل جائیں۔ بہرحال اِس وقت دجالیت کی بھرپور کوشش ہے کہ یہ تیسرا پردہ عالمِ اسلام پر بھی پوری طرح اوڑھا دیا جائے۔ اس لیے کہ ابھی عالمِ اسلام میں کچھ شرم و حیا اور عصمت و عفت کی اقدار باقی ہیں' کچھ خاندانی نظام کی قدریں باقی ہیں۔

یہ فطرت کا نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو مرد بنایا' عورت کو عورت بنایا۔ ان کے مابین جسمانی فرق ہے' نفسیات کا فرق ہے۔ اس دجالی تہذیب نے یہ سارے تخلیقی فرق مٹا کر وہ کام کیا ہے جس کا دعویٰ ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کے روبرو کیا تھا۔ سورۃ النساء

میں اس کے تحدیانہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

﴿وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّھُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّھُمْ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ ؕ﴾

''اور اُس نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ میں لازماً انہیں بہکاؤں گا' میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا' میں انہیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان پھاڑیں گے' اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کریں گے''۔

یہ اسی کا مظہر ہے کہ مرد عورتوں کا سا لباس پہنیں' عورتیں مَردوں جیسا لباس پہنیں۔ اور ایک زمانے میں تو ''یونی سیکس ڈریس'' کا بڑا چرچا ہوا تھا کہ مرد اور عورت کا ایک ہی قسم کا لباس ہونا چاہیے۔ اور اب جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' دنیا میں دو مَردوں کی شادی اور دو عورتوں کی شادی کو قانونی تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے۔ تو یہ اللہ کی فطرت' اللہ کی خلقت' اللہ کی تخلیق کے خلاف بغاوت ہے۔

تین سو سال پر محیط اس تاریک رات کے دوران جو یورپی استعمار پروان چڑھا اُس کی انتہائی کیفیت ۱۹۹۰ء کے بعد سے شروع ہوئی ہے جب سوویت یونین کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح امریکہ یا مغرب کے مقابلے میں اگر کوئی نظام موجود تھا جو اسے چیلنج کر رہا تھا وہ زمین بوس ہو گیا اور امریکہ کو ''سول سپریم پاور آن ارتھ'' کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اب وہ کرۂ ارضی کی عظیم ترین قوت بن گیا جس کے مقابلے میں کوئی نہیں ہے۔ میں نے کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ دس پندرہ سال پہلے امریکہ کا ایئر فورس چیف پاکستان آیا تھا اور اُس نے کراچی میں ماڑی پور ایئر بیس پر ہمارے ایئر فورس کے آفیسرز کو خطاب کیا تھا۔ اُس نے اس وقت یہ بات کہہ دی تھی کہ امریکہ اِس وقت ایک مست ہاتھی کی مانند ہے' جو اس کے سامنے آئے گا کچلا جائے گا۔ پہلے اسے اندیشہ ہوتا تھا کہ ایک دوسری طاقت بھی موجود ہے' ہم نے کسی ملک کو ذرا ڈرایا دھمکایا' تو وہ اس کا سہارا لے لے گا' اس کی گود میں چلا جائے گا۔ جیسے بھارت روس کے کیمپ میں چلا گیا تھا۔ جیسے ہی ہم

نے امریکہ کا سہارا لیا بھارت فوراً روس کی جھولی میں چلا گیا اور یہ روس ہی تھا جس نے ہمیشہ مسئلۂ کشمیر کے حل میں رکاوٹ ڈالی۔ جب بھی یو این او میں کشمیریوں کے حق خودارادیت کے حق میں کوئی قرارداد پیش ہوتی تو روس اسے ویٹو کر دیتا۔

مغرب کا چار نکاتی ایجنڈا اور اس کا ہدف

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ۱۹۹۰ء کے بعد سے یورپ میں ایک چار نکاتی ایجنڈے پر مسلسل غور ہو رہا ہے۔ ان نکات کی حیثیت ایک رسّی کی مختلف لڑیوں (strands) کی ہے، جن کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ لڑیاں کون سی ہیں، یہ جان لیجیے:

(۱) امریکہ کے سارے تھنک ٹینکس، خواہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ہوں اور چاہے پینٹاگون کے، سب کے سب اس غور و فکر میں مصروف ہیں کہ امریکہ کو روئے ارضی کی عظیم ترین طاقت ہونے کی جو حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس مقام کو کس طرح برقرار رکھا جائے۔

(۲) دجالی تہذیب کے ایجنڈے کی تکمیل۔ دجالی تہذیب کے ایجنڈے کا ابھی نصف حصہ پورا ہوا ہے اور نصف باقی ہے۔ چنانچہ عالمِ اسلام کی حد تک اس کی تکمیل ان کے پیش نظر ہے۔

(۳) صیہونیت (Zionism) کے پانچ نکاتی ایجنڈے کی تکمیل، جو یہودی اور عیسائی دونوں قسم کے صیہونیوں کا متفق علیہ ایجنڈا ہے:

(i) آرمیگاڈان، یعنی بڑی عظیم جنگ جس میں بہت زیادہ خونریزی ہوگی۔

(ii) عظیم تر اسرائیل کا قیام جو صیہونیوں کا ہدف ہے۔

(iii) مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو گرانا۔

(iv) تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنا۔ اور

(v) وہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت لا کر رکھ دینا۔

یہاں تک دونوں متفق ہیں۔ اس کے بعد عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہو کر اس تخت پر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کریں گے، جبکہ یہودیوں کا خیال ہے کہ ان کا میسایاح (Messiah) جس کے وہ ابھی تک منتظر ہیں، وہ آئے گا اور اس تخت پر

بیٹھ کر حکومت کرے گا' جسے ہم کہتے ہیں کہ وہ دجال ہوگا۔ عیسائی بھی اسے دجال کہتے ہیں' جو اینٹی کرائسٹ ہوگا۔ وہ دعویٰ کرے گا کہ میں مسیح ہوں لیکن وہ مسیح نہیں ہوگا' اسے اصلی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آ کر قتل کریں گے۔

(۴) امریکہ و یورپ کے چار نکاتی ایجنڈے کا چوتھا ہدف روئے ارضی کے تمام قدرتی وسائل پر قبضہ کرنا ہے' جن میں تیل خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔

یہ چار نکاتی ایجنڈا سارے تھنک ٹینکس کے غور و فکر اور سوچ بچار کا موضوع رہا ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ نے ایک فیصلہ کیا کہ اب ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ کوئی ہم پر حملہ آور ہو تو ہم جواب دیں۔ ہمیں کسی کی طرف سے ذرا سا بھی اندیشہ ہوا تو ہم پہلے اس پر حملہ کر دیں گے۔ ہمیں نہ تو عالمی رائے عامہ کی کوئی فکر ہے اور نہ ہی ہمیں اقوام متحدہ سے کوئی سروکار ہے۔ اب ہمیں اپنے اتحادیوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے' ہم خود اتنے طاقتور ہیں کہ ہم سارے معاملے خود طے کر سکتے ہیں۔ جنگجوئی کا یہ نقشہ بش ثانی کا تیار کردہ ہے' جو امریکہ کے صدور میں جنگجو صدر کی حیثیت سے تاریخ میں یاد رکھا جائے گا۔ اس نے preemption کو باقاعدہ ایک اصول بنا کر بالکل اسی انداز میں جیسے دوسری جنگ عظیم کے دوران ''پرل ہاربر'' کے نتیجے کے طور پر امریکہ بپھرے ہوئے شیر کی مانند جاپان پر حملہ آور ہو گیا تھا' اپنے Twin Towers کو خود گرایا' تاکہ عوام میں غم و غصہ پیدا کیا جائے اور اپنی رائے عامہ ہموار کی جائے۔ انہوں نے اس کا الزام القاعدہ اور اسامہ بن لادن پر لگایا اور اس کے لیے اس قدر جوشِ انتقام پیدا کر دیا کہ پھر ان کو ایوانِ نمائندگان سے ہر طرح کے مالی اخراجات کی منظوری ملتی چلی گئی۔ یہ سارا معاملہ انہوں نے اس لیے کیا کہ اس ایجنڈے کو پورا کریں۔

ہمارے لیے لمحۂ فکر یہ ہے کہ اس سارے ایجنڈے کا اوّلین ہدف عالمِ اسلام ہے۔ اس لیے کہ

اوّلاً: یہ ''نزلہ بر عضو ضعیف'' کا مصداق ہے۔ بالفاظِ دیگر ع ''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!''

ثانیاً: تیل کے عظیم ترین ذخائر اس کے قدموں تلے ہیں۔

ثالثاً: دجالی تہذیب کے تیسرے پردے کے بتمام وکمال چھا جانے کے راستے میں رکاوٹ یہی علاقہ ہے۔ یہاں پر اسلامی تہذیب کے آثار ابھی باقی ہیں' جس میں عورت کو عورت اور مرد کو مرد سمجھا جاتا ہے اور ان کے الگ الگ دائرۂ کار معین ہیں۔ عورت کے اپنے حقوق وفرائض ہیں اور مرد کے اپنے حقوق وفرائض ہیں۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (البقرۃ:۲۲۸) ''مردوں کو عورتوں کے اوپر ایک درجہ فوقیت کا حاصل ہے''۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے' جبکہ دجالی تہذیب میں مرد وعورت ہر اعتبار سے بالکل برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو دوٹوک انداز میں فرمایا ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (النساء:۳۴) ''مرد عورتوں پر قوام ہیں''۔ یہ سارا قرآن مجید کا فلسفہ ہے' جس سے مغرب خائف ہے۔

رابعاً: صیہونیت کا جو ایجنڈا ہے وہ تو مشرقِ وسطیٰ ہی سے متعلق ہے کہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو مسمار کر کے تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنا اور گریٹر اسرائیل کا قیام۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ عراق' شام' اردن' لبنان وغیرہ ان کے نقشے میں شامل ہیں۔ مصر سے تو انہوں نے پورا جزیرہ نمائے سینا لینا ہے' جس میں کوہِ سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور انہیں پتھر کی الواح پر لکھے ہوئے احکامِ عشرہ دیے گئے۔ پھر یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ان کے سارے کے سارے بھائی اپنے خاندانوں کے سمیت مصر آ گئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی وہاں آ گئے تھے' جہاں بنی اسرائیل کئی سو برس تک رہے۔ یہ علاقہ بھی انہوں نے مصر سے واپس لینا ہے۔ مزید برآں عرب کے شمالی حصے پر بھی ان کا دعویٰ ہے جس میں مدینہ منورہ اور خیبر وغیرہ شامل ہیں۔ مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے جہاں سے ان کو نکالا گیا تھا۔ اسی طرح ترکی کا جنوبی حصہ بھی گریٹر اسرائیل کے نقشے میں شامل ہے۔ اس سارے ایجنڈے کا تعلق مشرقِ وسطیٰ سے ہے اور ان کے پیش نظر مشرقِ وسطیٰ کا ایک نیا نقشہ بنانا ہے' جسے وہ شائع بھی کر رہے ہیں۔ تو درحقیقت یہ چار اسباب ہیں جن کی وجہ

سے دجالیت یا نیو ورلڈ آرڈر کا اوّلین ہدف بھی عالمِ اسلام ہے۔

اس سارے منصوبے کو بش اوّل نے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا نام دیا تھا جو موجودہ بش کا باپ تھا۔ اس نے جیسے ہی عراق پر حملہ کر کے اس کو تہس نہس کیا اور اُس کی فوج کا بھرکس نکالا تو اس کے بعد اس نے کہا تھا اب ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا وقت آ گیا ہے۔ یعنی اس ایجنڈے کے آخری حصے کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے۔ اور یہ بش ثانی بھی اپنے باپ کی طرح کٹر عیسائی اور Evengelist ہے۔

عالمِ اسلام میں مغرب کے اہداف کا ایک جائزہ

آج میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک ایک کر کے عالمِ اسلام کے مختلف ممالک کا معاملہ سمجھ لیں کہ یہ کس اعتبار سے مغرب کا ہدف ہیں۔

افغانستان: عراق کے بعد عالمِ اسلام میں ان کا پہلا ہدف افغانستان بنا ہے۔ میں نے مغرب کے مقاصد کی جو چار لڑیاں بتائی ہیں' جو آپس میں بٹی ہوئی ہیں' اب ان کے حوالے سے دیکھئے۔ افغانستان میں عظیم ترین بات یہ ہوئی کہ نظامِ اسلامی کی ایک ہلکی سی جھلک دنیا نے دیکھ لی۔ یہ وہ چیز ہے جو شیطان کو اور اس کے چیلوں اور ایجنٹوں کو کسی صورت گوارا نہیں۔ اقبال نے اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' ۱۹۳۶ء میں لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے ابلیس کی زبان سے یہ کہلوایا ہے: ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں شرعِ محمدیؐ کی برکات کا ظہور نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میری ابلیسیت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ میرا سارا تانا بانا جو میں نے صدیوں کی محنت سے بنا ہے' وہ سارا برباد ہو جائے گا۔ افغانستان میں اس ''شرعِ پیغمبرؐ'' کی جھلک نظر آئی تھی' اگرچہ ابھی وہاں کوئی اسلامی نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ چند اسلامی سزاؤں کے نفاذ ہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سو فیصد امن قائم ہو گیا۔ چوری' ڈاکہ' اغوا' زیادتی اور جنسی جرائم سب ختم ہو گئے۔ پھر یہ کہ ''امیر المؤمنین'' کے ایک حکم پر پوست (poppy) کی کاشت

یکسر بند ہوگئی۔ امریکہ اس مقصد کے لیے اربوں ڈالر دیتا ہے کہ کسی طریقے سے باز آ جاؤ‘ خدا کے لیے پیسے لے لو لیکن تم یہ پوست کاشت نہ کرو‘ لیکن وہاں پر ہر سال اس کی مقدار بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ تو مغرب کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر یہاں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہو گیا اور جدید تصورات کے مطابق کوئی ایسی ریاست قائم ہو گئی جس میں ایک طرف تمام اسلامی اقدار اور خلافت راشدہ کے اصول موجود ہوں اور دوسری طرف عہد حاضر میں جو بھی ریاستی ادارے پروان چڑھے ہیں وہ بھی پورے طور پر بروئے کار آ جائیں تو گویا ابلیسیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی کا جتنا بڑا اتحاد (coalition) افغانستان پر حملے کے لیے بنا ہے وہ کبھی نہ تو اس سے پہلے بنا ہے نہ اب بنے گا۔ نیٹو کی فورسز عراق میں نہیں گئیں‘ یہاں آ گئیں۔ اس لیے کہ اَلْکُفْرُ مِلَّــۃٌ وَّاحِدَۃٌ. اور اس ملت واحدہ کو سب سے بڑا اندیشہ اسلام سے ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں امریکہ اور یورپ کو روس کی پشت پناہی بھی حاصل رہی ہے۔ برطانیہ کے وزیراعظم گورڈن براؤن نے واشنگٹن میں یہ بیان دیا تھا کہ عنقریب چین بھی اپنی فوجیں افغانستان میں بھیج دے گا۔ یہ بات کسی عام صحافی نے نہیں‘ برطانیہ کے وزیراعظم نے کہی تھی‘ لہٰذا بے بنیاد نہیں ہو سکتی‘ اگرچہ چند دن کے بعد چین کی طرف سے اس کی تردید آ گئی تھی۔ آپ کو معلوم ہے موجودہ سیاست کا معاملہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ ایک بات آئی‘ پھر اس کی تردید آ گئی‘ پھر معلوم ہوا کہ اس میں کچھ جزوی حقیقت تھی‘ پھر بعد میں وہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔ دراصل اس طرح کے feeler لوگوں کا ردّعمل معلوم کرنے کے لیے چھوڑے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں چین اس اتحاد میں آئے گا۔ اس لیے کہ چین کو خود اسلام سے اندیشہ ہے۔ اس کے بہت بڑے صوبے سنکیانگ میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہے اور وہ ان میں کسی انقلابی تحریک کے جنم لینے سے خائف ہے۔ اور ظاہر ہے کسی نظریے یا فکر کے لیے نہ تو کوئی ویزا درکار ہے نہ پاسپورٹ۔ وہ تو ملکوں کی سرحدیں عبور کر جاتا ہے اور اسے نہ کوئی پہاڑ روک سکتا ہے نہ دریا۔ اور افغانستان کا ایک کونہ چین کے ساتھ جا کر مل بھی جاتا ہے۔ ’’واخان‘‘ کی

پٹی کا ایک سرا چین کے ساتھ ملتا ہے۔ اس طرح چین بھی گویا افغانستان کی سرحدوں میں شامل ہے۔ تو ان کو خطرہ ہے کہ افغانستان سے اسلام کا انقلابی اور جہادی فکر اگر کہیں ہمارے اس صوبے سنکیانگ کے اندر آ گیا تو ہمارے لیے معاملہ مشکل ہو جائے گا۔ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ افغانستان میں اسلامی نظام کے ایک امکان کا معاملہ پیدا ہوا۔ لہٰذا اس پر اتنی بڑی فوج کشی کی گئی۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ حدیث اسرائیل کے علم میں ہے جو ہمارے ہاں بیان ہوتی ہے:

((تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَأَيَاتٌ سُوْدٌ لاَ يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِاِيْلِيَاءَ))(۱)

''خراسان کے علاقے سے سیاہ پرچم (لے کر لشکر) نکلیں گے' ان کا رُخ کوئی موڑ نہیں سکے گا' یہاں تک کہ وہ جا کر یروشلم میں نصب ہو جائیں گے۔''

یہود کے استیصال کا معاملہ چونکہ خراسان (افغانستان) ہی سے شروع ہونا ہے لہٰذا وہ یہاں اپنے پنجے مضبوطی کے ساتھ گاڑے رکھنا چاہتے ہیں۔ اوباما کا بھی یہی ایجنڈا ہے اور اس نے کہا ہے کہ میں عراق سے فوج نکال لوں گا اور افغانستان میں مزید داخل کروں گا۔ دراصل عراق کا معاملہ متذکرہ بالا چار لڑیوں (strands) میں سے صرف دو پر مشتمل تھا۔ لہٰذا وہاں کوئی بڑا اتحاد وجود میں نہیں آیا۔ وہ دو چیزیں یہ تھیں: (i) تیل کے ذخائر (ii) اسرائیل کی اولین توسیع —— یعنی عراق پر حملہ گریٹر اسرائیل کے قیام کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس لیے کہ جیسے ہی صدام کو شکست ہوئی اور بغداد میں اس کے مجسمے بھی گرائے گئے تو اسرائیل کے اُس وقت کے وزیراعظم شیرون نے فوراً کہہ دیا تھا کہ عنقریب عراق پر ہماری حکومت ہوگی' اور پہلے تو ہم صرف فرات تک کا علاقہ مانگتے تھے اب ہمارا مطالبہ دجلہ تک ہے۔

افغانستان میں امریکہ کا ایک اور ایجنڈا بھی ہے۔ اسے ایشیا کے وسط میں قدم جمانے کے لیے ایک خطۂ زمین کی ضرورت ہے۔ اُس نے ایک اسرائیل تو عالمِ عرب

(۱) سنن الترمذی' ابواب الفتن' باب ما جاء فی النهی عن سبّ الرياح۔

کے قلب میں گویا خنجر کے طور پر گاڑا ہے اور وہاں پر اپنے پاؤں جمائے ہیں' جبکہ اسے ایک اور ''اسرائیل'' ایشیا کے قلب میں درکار ہے' جہاں اسرائیلی حکومت کی طرح کوئی حکومت ہو جو اُس کی پشت پناہ ہو' جو اُسی کے اشارے پر ناچے اور اُسی کے ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر اپنے تمام وسائل و ذرائع صرف کرے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے افغانستان کو منتخب کر لیا ہے۔ یہ ان کا پروگرام ہے۔ فی الواقع کیا ہوگا' یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ انہوں نے بہرصورت یہاں اپنے پنجے گاڑ کر ہی رکھنے ہیں۔ یہیں سے پاکستانی علاقوں پر امریکی حملے ہوتے ہیں' جو صوبہ سرحد کے وسطی علاقے بنوں تک جا پہنچے ہیں۔ ہماری حکومت کا کہنا ہے کہ ان حملوں کے حوالے سے ہمارا امریکہ سے کوئی معاہدہ نہیں' جبکہ ان کی طرف سے مسلسل کہا جا رہا ہے کہ یہ ہمارا سہ فریقی تعاونِ باہمی کا معاہدہ ہے' جس میں افغانستان کی حکومت' پاکستان کی حکومت اور نیٹو شریک ہیں۔ اس معاہدے کی رو سے ہم آپس میں ایک دوسرے کے تعاون سے یہ حملے کر رہے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی طرف سے کبھی کبھی ایک چھوٹا سا احتجاجی بیان آ جاتا ہے کہ بس بس اب مزید برداشت نہیں ہوگا' آپ ہماری sovereignty کو چیلنج نہیں کر سکتے' لیکن یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے بس پڑتے افغانستان کو چھوڑا نہیں ہے۔

اسی افغانستان کے بارے میں علامہ اقبال کے دو شعر ملاحظہ کیجیے:

آسیا یک پیکر آب و گِل است
ملّتِ افغاں در آں پیکر دِل است!

''ایشیا مٹی اور پانی کا ایک پیکر ہے' جیسے انسان کا جسم مٹی اور پانی کے آمیزے سے بنا ہے۔ جس طرح انسان کے جسم کے اندر دل ہوتا ہے اسی طرح افغانستان ایشیا کے دل کی حیثیت رکھتا ہے''۔

از فسادِ اُو فسادِ آسیا
در کشادِ اُو کشادِ آسیا

''اگر وہاں فساد ہوگا تو پورے ایشیا میں فساد ہو جائے گا اور اگر وہاں کے حالات

بہتر ہو جائیں گے تو پورے ایشیا کے حالات میں بہتری آ جائے گی''۔

تو امریکہ افغانستان کو قلبِ ایشیا میں ایک اسرائیل کی صورت دینا چاہتا ہے' اور جیسا کہ میں نے عرض کیا' اس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی یقیناً اسرائیلیوں کے علم میں ہوں گی۔ یہ لوگ بہت ریسرچ کرتے ہیں اور ایسی احادیث ان کے علم میں ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کا نزول ہو گا اور اس کے بعد جو یہودیوں کا قتل عام ہو گا تو اُس وقت صرف ایک درخت ''غرقد'' ایسا ہو گا جو یہودیوں کو پناہ دے گا۔ ورنہ کوئی شجر ہو یا حجر' کوئی یہودی اس کے پیچھے چھپے گا تو وہ پکار کر کہے گا کہ اے عبداللہ! اے مسلمان! دیکھ میرے پیچھے یہ یہودی چھپا ہوا ہے' آ ؤ اور اسے قتل کرو!—— اور یہودیوں نے اسرائیل میں سب سے زیادہ شجر کاری غرقد کی ہی کی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ یہی درخت ان کا پشتیبان بن سکتا ہے۔

امریکہ کو سنٹرل ایشیا کے تیل کے ذخائر کے لیے راستہ چاہیے اور وہ افغانستان سے ہو کر گزرتا ہے۔ وسطی ایشیا میں تیل کے بہت زبردست ذخائر موجود ہیں۔ ابھی تو چائنا اس کے لیے کوشش کر رہا ہے اور اُس نے وہاں پائپ لائن بچھا دی ہے' جبکہ امریکہ چاہتا ہے کہ وہاں سے تیل وہ اپنے ہاں لے جائے۔ یہ امریکہ کے ایجنڈے میں ہے۔ وہ اصل میں گریٹر بلوچستان بھی اسی لیے بنانا چاہتا ہے کہ اس کے راستے سے افغانستان اور وہاں سے سنٹرل ایشیا کے تیل کے ذخائر تک رسائی حاصل ہو سکے۔

خود افغانستان کے اندر معدنی ذخائر بے انتہا ہیں اور یہ بات ہم سے زیادہ امریکہ کے علم میں ہے۔ مارچ ۲۰۰۱ء میں مشہور ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر سلطان بشیر الدین محمود (جو ایک مخلص سنی مسلمان ہیں) نے ہمارے ہاں ایک خطاب کیا تھا: ''افغانستان پر عالمی پابندیاں کیوں؟'' ان کا یہ خطاب مئی ۲۰۰۱ء کے میثاق میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ انہوں نے روسی اور جرمن ماہرین ارضیات کی رپورٹوں کے حوالے سے بیان کیا تھا کہ صوبہ بلخ میں اتنا تیل ہے کہ افغانستان مستقبل میں سعودی عرب ہو گا۔ گیس اس قدر ہے کہ روس زمانۂ جنگ میں لاکھوں کیوبک میٹر یومیہ کے حساب سے وہاں سے گیس لے کر

جاتا رہا۔اس کے علاوہ وہاں پر لوہے اور کاپر کے ذخائر دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ ہیں۔ UNDP کی رپورٹ کے مطابق افغانستان میں ایک لاکھ ٹن سے زیادہ سونا موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہاں انتہائی قیمتی جواہرات' انڈسٹریل اور سٹریٹجک دھاتوں اور دیگر معدنیات کے عظیم ترین ذخائر موجود ہیں۔مزید برآں میٹھے پانی کے اتنے ذخیرے ہیں کہ ان کے ذریعے پورے افغانستان کو باغ و بہار بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ افغانستان پر قبضہ کرنے میں یہ فیکٹر بھی نہایت اہم ہے۔

گریٹر کشمیر : اس ضمن میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ امریکہ جیسی سپر پاور اپنے تمام آپشنز کو ایک ہی جگہ نہیں رکھا کرتی' متبادل آپشنز بھی ان کی نظر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ افغانستان کے علاوہ ان کی نظریں کشمیر پر بھی رہی ہیں کہ مقبوضہ کشمیر' پاکستانی کشمیر اور ادھر سے گلگت' ہنزہ اور کچھ دوسرے علاقوں کو شامل کر کے ''گریٹر کشمیر'' بنایا جائے۔یاد رہے کہ گلگت اور ہنزہ ایک زمانے میں سکھوں کی ریاست کشمیر میں شامل تھے۔''گریٹر کشمیر'' کے منصوبے کا مقصد بھی وسط ایشیا میں ایک ''اسرائیل'' کا قیام اور چائنا کا گھیراؤ ہے۔مسز رابن رافیل امریکہ کی انڈر سیکریٹری آف ساؤتھ ایشیا ہوا کرتی تھی۔(جس کا شوہر امریکی سفیر رابن رافیل ضیاء الحق صاحب کے ساتھ حادثے میں ہلاک ہوا تھا) اُس نے باقاعدہ طور پر یہ بیان دیا تھا کہ ہم بھارت سے اس کا کشمیر لیں گے' پاکستان سے اس کا کشمیر اور شمالی علاقہ جات لیں گے اور پاکستان نے تبت کا جو علاقہ کبھی چین کو دے دیا تھا وہ بھی واپس لیں گے اور ان سب کو ملا کر ایک ''گریٹر کشمیر'' قائم کریں گے۔وہ تو بھارت اُس وقت تک امریکہ کے پھندے میں پھنسا نہیں تھا اور اُس کے وزیر دفاع نے قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران کہہ دیا تھا کہ کشمیر کے بارے میں امریکہ کی اپنی نیت خراب ہو چکی ہے' لہٰذا بھارت نے اس معاملے میں کوئی لچک نہیں دکھائی۔اب تو ظاہر بات ہے کہ بھارت بھی اس کی جھولی میں ہے' لہٰذا امریکہ اسے اس منصوبے پر قائل کر سکتا ہے۔

ایک اور اسکیم بھی سامنے آئی ہے کہ شمالی علاقہ جات میں ایک اسماعیلی ریاست قائم ہو جائے۔ پاکستان آرمی کے ایک حاضر سروس میجر جو آج کل شمالی علاقہ جات کے

اندر رہی کام کر رہے ہیں' انہوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اس کا شدید اندیشہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسماعیلی وہاں بہت متحرک ہیں اور آغا خان ایک عرصے سے وہاں بہت زیادہ پیسہ لگا رہے ہیں۔ اس وجہ سے اس کا امکان موجود ہے کہ وہاں ایک گریٹر اسماعیلی ریاست قائم ہو جائے۔ بہرحال یہ ان کے آپشنز ہیں۔

پاکستان :اب آیئے پاکستان کی طرف کہ پاکستان ان کا ہدف کیوں ہے؟

اوّلاً: پاکستان اسلامک فنڈامنٹلزم کا فکری اور علمی گڑھ ہے' لہٰذا اس قلعہ کو مسمار کرنا ان کے پیش نظر ہے۔

ثانیاً: پاکستان ایک مسلمان ایٹمی طاقت ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک گریٹر اسرائیل کا نقشہ شروع کرنے سے پہلے پاکستان کے ایٹمی دانت توڑنے ضروری ہیں۔ ورنہ اگر وہ منصوبہ شروع ہو گیا تو پورے عالمِ اسلام کے اندر عوامی سطح پر جو طوفان اٹھے گا وہ حکومتوں کو بہا کر لے جائے گا اور اس صورت میں خطرہ موجود ہے کہ کہیں پاکستان میں فنڈامنٹلسٹ حکومت قائم نہ ہو جائے۔ اور ان کے ہاتھ میں اگر ایٹمی ہتھیار آ گئے تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہ استعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے ایٹمی دانت توڑنا ان کے پروگرام میں شامل ہے۔

ثالثاً: چائنا کا گھیراؤ (containment) مکمل کرنے کے لیے پاکستان کو استعمال کرنا پیش نظر ہے۔ اس لیے کہ یہی ایک آؤٹ لٹ ہے جو چائنا کو ملا ہوا ہے۔ چائنا نے پاکستان میں بہت سرمایہ کاری کی ہے۔ شاہراہِ ریشم کی تعمیر پر اس کا کتنا پیسہ خرچ ہوا ہے اور اس کے کتنے فوجیوں نے وہاں پر جانیں دی ہیں! پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر جو سڑکیں بنائی گئی ہیں اس میں ہماری آرمی نے بھی کام کیا ہے لیکن اس میں بہت بڑا حصہ چائنیز کا ہے۔ پھر اُس نے گوادر پر کتنا پیسہ خرچ کیا ہے! اس لیے کہ وہ پاکستان سے گوادر کے راستے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک سے تجارتی روابط بڑھانا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ بحرالکاہل سے ہو کر سٹیٹ آف ملاکا (ملائشیا) سے ہوتے ہوئے بحرِ ہند میں پہنچنے کے بجائے براہِ راست شاہراہِ ریشم کے ذریعے پاکستان میں اتر کر گوادر کے راستے بحیرۂ

عرب کے گرم پانیوں میں پہنچ جائے گا۔ چین کی اس منصوبہ بندی کو روکنے کے لیے امریکہ پاکستان پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا ہے۔

رابعاً: پاکستان کو غیر مستحکم کر کے بلوچستان کو گریٹر بلوچستان بنانا بھی ان کے پروگرام میں شامل ہے۔ اس طرح ایک تو انہیں بلوچستان سے افغانستان کے راستے وسط ایشیا کے تیل کے ذخائر تک رسائی مل جائے گی اور دوسرے بلوچستان کے اندر جو بڑے پیمانے پر معدنی دولت موجود ہے اس پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ پاکستان کے بارے میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ایٹمی دانت توڑ کر اسے بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ امریکہ کی سیکریٹری آف سٹیٹ کنڈولیزا رائس کے اس بیان کا مَیں کئی بار ذکر کر چکا ہوں کہ پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ بھارت اور امریکہ مل کر کریں گے۔ اس کے یہ الفاظ آن ریکارڈ ہیں۔ اس اعتبار سے افغانستان کے بعد پاکستان کا نمبر ہے۔

بھارت کو اپنا سٹریٹجک پارٹنر اور اتحادی بننے پر امریکہ نے اسے اتنا بڑا تحفہ دیا ہے کہ اس کے ساتھ سول نیوکلیئر معاہدہ کیا ہے۔ اس طرح اسے کھلی چھوٹ حاصل ہو گئی ہے کہ دنیا میں جہاں سے چاہے نیوکلیئر بم بنانے والے آلات و وسائل حاصل کرے۔ یہ تحفہ دینے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے ایٹمی دانت توڑ کر اسے بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا بھی ان کے پیش نظر ہے اور اس کی طرف پیش قدمی شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ بھارت ہمارے گرد اپنا شکنجہ کس رہا ہے اور دریاؤں کا پانی روک کر ہمیں گھٹنوں کے بل گرانے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔ پنجاب کا علاقہ کبھی باروں (نیلی باروغیرہ) پر مشتمل ہوتا تھا اور یہ سب صحرا تھے۔ دریاؤں کا پانی رک جانے سے ہماری نہریں خشک ہو جائیں گی اور پورا پنجاب پھر سے صحراؤں میں تبدیل ہو جائے گا۔

سعودی عرب: پاکستان کے بعد ان کا اگلا ٹارگٹ سعودی عرب اور شام ہیں۔ اس لیے کہ سعودی عرب ''وہاب ازم'' کا منبع (source) ہے' جس نے دنیا کے اندر اسلامک فنڈامنٹلزم کو بہت تقویت دی ہے' اور مغرب فنڈامنٹلسٹ کی حیثیت سے ''وہاب ازم'' کو بھی گالی کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ ''قرآن'' وہاں کے نظامِ تعلیم کا جزوِ لازم

ہے۔اگرچہ وہاں کی حکومت نے امریکہ کے ایماء پر اپنی نصابی کتب میں سے جہاد وقتال کی آیات اور یہود و نصاریٰ کے خلاف آیات نکال دی ہیں' مثلاً: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ﴾ (المائدۃ:۵۱) تاکہ نوجوان نسل کے اذہان میں ایسے افکار پروان نہ چڑھیں' لیکن یہ لوگ قرآن کو تو نہیں بند کر سکتے۔قرآن تو ان کے رگ و پے میں ہے' قرآن تو پڑھا جا رہا ہے اور پڑھا جاتا رہے گا۔لہٰذا فنڈامنٹلزم کا بڑا سورس ہونے کے ناتے سعودی عرب بھی ان کی آنکھ کا کانٹا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کے مقدس مقامات (مکہ و مدینہ) پر حملہ کرنے کا معاملہ زیر بحث آیا ہے۔ٹام ٹینکریڈو (Tom Tancredo)' جو جان مکین کے مقابلے میں ریپبلکن پارٹی کے ٹکٹ کا امیدوار تھا' اُس نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ ہم مسلمانوں کے مقدس مقامات پر بمباری کریں گے۔اس کی انتخابی مہم کے مینیجر نے بھی یہی بکواس کی تھی۔

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے' اسلام میں جیسے ہی غربت کا آغاز ہوا تھا' تجدیدی مساعی کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔یہ تجدیدی مساعی چودہ سو برس تک تدریجاً بڑھتے بڑھتے اب اپنے کلائمکس کو پہنچنے والی ہیں۔اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے دین کی تجدیدِ کامل ہو کر رہے گی۔اور یہی درحقیقت سورۃ الانشقاق کی ان آیات میں سے تیسری آیت کا مطلب ہے۔یہ جو فرمایا:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾﴾

''تو نہیں' میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔اور قسم ہے رات کی اور اُن چیزوں کی جن کو وہ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔اور قسم ہے چاند کی جب وہ رفتہ رفتہ پورا ہو جاتا ہے''۔

جس طرح چاند رفتہ رفتہ بڑھتا ہے اور چودہ دن میں ہلال سے بدر بن جاتا ہے اسی طرح تجدید کا چاند تدریجاً بڑھ رہا ہے اور چودہ صدیوں میں آ کر اب اسلام کی تجدید کامل ہونے والی ہے۔گویا وہ وقت آ چکا ہے جب مجددِ کامل کا ظہور ہوگا۔اور اسی کے ضمن میں عالمِ اسلام میں مختلف تجدیدی مساعی ہو رہی ہیں' برعظیم پاک و ہند میں اور خاص طور پر

پاکستان میں یہ تجدیدی مساعی جاری ہیں۔

اس کے بعد چوتھی آیت میں فرمایا:

﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾﴾

''تم یقیناً درجہ بدرجہ اوپر اٹھو گے''۔

یعنی تجدید دین کا کام اسی طرح تدریجاً تکمیل کو پہنچے گا جیسے نبوت کی تکمیل ہوئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمدٌ رسول اللہ ﷺ تک کئی ہزار برس میں تدریجاً تکمیل نبوت اور تکمیل رسالت ہوئی۔ اسی طرح اب دین اسلام کی تجدید کامل ہونی ہے' اس کا وقت اب آ گیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ بالآخر اسلام کا غلبہ پوری دنیا میں ہو کر رہنا ہے ع ''یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!'' لیکن اس سے پہلے مسلمانوں کو کچھ زخم لگنے ہیں۔ عالمِ عرب پر اللہ کی طرف سے کچھ عذاب کے کوڑے برسنے ہیں' اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اہل پاکستان پر بھی عذاب کے کوڑے برسیں۔ اس لیے کہ اوّلین مجرم اہل عرب ہیں اور دوسرے نمبر پر ہم مجرم ہیں۔ ہم نے اسلام کے نام پر یہ ملک بنایا اور ۶۱ برس ہو گئے مگر اسلام ہماری ترجیحات میں کہیں نہیں ہے' یہاں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کی کوئی ادنیٰ سی جھلک بھی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ہم بہت بڑے مجرم ہیں۔ اللہ ہمیں معاف کر دے اور مزید مہلت دے دے تو یہ اس کا کرم ہے۔ اس کے لیے ہم دعا کر سکتے ہیں۔ لیکن اونچ نیچ ہونے کے بعد ہو کر یہی رہے گا کہ بالآخر اسلام کا بول بالا ہوگا اور دین کی کامل تجدید ہوگی' اِن شاء اللہ العزیز۔

اب ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی جگہ سوچے کہ ان مساعی میں اس کا کیا حصہ (contribution) ہے۔ دورِ نبویؐ میں اسلامی انقلاب محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے تمام مراحل طے کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ ابوجہل' ابولہب اور دیگر کفار و مشرکین اس جدوجہد میں شرکت سے محروم رہ گئے' لیکن حضرات ابوبکرؓ' علیؓ' عمرؓ' حمزہ اور عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو بن گئے۔ یہ تو ہر شخص کا اپنا معاملہ ہے کہ کون آگے رہتا ہے اور کون پیچھے رہتا ہے۔ جیسے سورۃ المدثر کی یہ آیت ہم

نے پڑھی: ﴿لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّتَقَدَّمَ اَوۡ يَتَاَخَّرَ﴿۳۷﴾﴾ یعنی اب جو چاہے آگے بڑھ جائے اور جو چاہے پیچھے رہ جائے! نبوت کا خورشید طلوع ہونے کے بعد یہ پکار تھی کہ اب کون ہے جو آگے بڑھتا ہے' تصدیق کرتا ہے اور کون ہے جو پیچھے رہ جاتا ہے؟ پیچھے رہنے والے محروم رہ جائیں گے اور آگے بڑھ کر تصدیق کرنے والے اللہ کی رحمتوں کے اہل قرار پائیں گے۔ اسی طرح اب تجدید کامل تو ہو کر رہنی ہے' لیکن اب کون ہے جو اِس جدوجہد میں حصہ ڈالنے کو تیار ہو؟ کون ہے جو اپنے جسم و جان کی توانائیاں اس کے اندر صرف کرنے کو تیار ہو؟ کون ہے جو اپنے مالی وسائل و ذرائع کو اس کے لیے صرف کرنے کو تیار ہو؟ یہ درحقیقت افراد کا فیصلہ ہے۔ یہ میرے موضوع کا آخری حصہ ہے' جو اِن شاء اللہ اگلے جمعہ میں زیر بحث آئے گا۔

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلماتooo

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو' ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

Visit us at www.tanzeem.org

''جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی'' کا

مُقَدِّمَۃ

جو رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ کے آخری عشرے میں
مکہ مکرمہ (زاد اللّٰہ شرفھا) میں قلمبند ہوا

بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کی تالیف ''جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی'' پہلی بار ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں اس کے مزید ایڈیشن بھی طبع ہوئے۔ تاہم چند سال سے یہ گراں قدر تالیف آؤٹ آف پرنٹ ہے۔ اب اس ضخیم کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ شروع کرا دی گئی ہے تاکہ اسے شایانِ شان طور پر شائع کیا جا سکے۔ کتاب کے مقدمہ پر محترم ڈاکٹر صاحب نے نظر ثانی فرمائی ہے' جسے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

- زیر نظر کتاب راقم الحروف کی چند تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ ہے جو ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران اکثر و بیشتر ماہنامہ ''میثاق'' اور بعض مجلّہ ''حکمت قرآن'' میں شائع ہوئیں۔
- ان کی وہ قدر مشترک' جو ان کی کتابی صورت میں تالیف کا سبب بنی' یہ ہے کہ ان میں علماءِ کرام بالخصوص منتسبین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن ؒ سے خطاب اور عرض معروض بھی ہے۔
- اور ان میں سے بعض حضرات کے اعتراضات کا جواب اور شکوک و شبہات کا ازالہ بھی۔

.....

❁ یہ بحث دو اسباب سے شروع ہوئی:

❁ ایک: یہ کہ راقم نے اپنی ایک پرانی تحریر جو ''میثاق'' کی ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء کی مشترک اشاعت میں ''مولانا ابوالکلام آزاد، جمعیت علماء ہند اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ'' کے عنوان سے شائع ہوئی تھی بطور ''قندِ مکرّر'' جنوری ۱۹۸۴ء کے پرچے میں دوبارہ شائع کر دی۔

❁ جس پر طنز و طعن سے بھرے ہوئے دو خطوط کہروڑ پکا (ضلع ملتان) کے مولانا اللہ بخش ملکانوی صاحب کے موصول ہوئے جن میں متحدیانہ انداز کے سوالات بھی تھے۔

❁ میں، اپنی دعوت و تحریک کی مصلحتوں کے پیشِ نظر، طعن و طنز سے صرف نظر کرتے ہوئے ازالۂ شبہات کی موزوں اور مناسب صورت کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ان کی ایک تیز و تند تحریر ماہنامہ ''الخیر'' ملتان میں بھی شائع ہو گئی۔

جس کے نتیجے میں، مجبوراً راقم کو بھی وضاحتی جواب ''میثاق'' میں شائع کرنا پڑا۔

.....(اس ضمن میں راقم نے خود بھی ''میثاق'' میں مولانا ملکانوی کے دونوں خطوط اور ''الخیر'' میں شائع شدہ تحریر شائع کر کے جوابی گزارشات پیش کی تھیں..... اور علماء کرام سے متوقع اخلاق عالیہ اور صحافتی و تصنیفی روایات کے پیش نظر معاصر ''الخیر'' سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ بھی میری وضاحتی گزارشات کو اپنے مؤقر مجلّے میں شائع فرما دیں..... یا کم از کم ہمیں اپنے قارئین کے پتے فراہم کر دیں تاکہ ہم ان کی خدمت میں ''میثاق'' کا وہ شمارہ ارسال کر سکیں..... لیکن ع ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!'')

.....❁.....

❁ دوسرے! یہ کہ ان ہی دنوں لاہور میں ایک ایسی نوجوان شخصیت ابھر کر سامنے آئی جس نے مولانا امین احسن اصلاحی کو اپنا ''استاذ'' قرار دے کر، حدِ رجم کے ضمن میں جہاں مولانا اصلاحی کی رائے کی انتہا ہوئی تھی، وہاں سے آغاز فرماتے ہوئے شریعت اسلامی کے پورے ڈھانچے کو درہم برہم اور تہہ و بالا کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔

❁ اور چونکہ یہ نوجوان زبان و قلم کی استعدادات سے بخوبی مسلّح تھا، لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کے دین پسند نوجوانوں میں اس کا ایک حلقۂ اثر پیدا ہو گیا۔

❁ جہاں تک مولانا اصلاحی کا تعلق ہے، رجم کے ضمن میں ان کی عظیم غلطی اور بعض دوسرے معاملات میں ان کے شذوذ کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و علمی خدمات بھی نہایت شاندار

ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔

- جن میں سرفہرست تو بلاشبہ خدمتِ قرآن کے ضمن میں ان کی عمر بھر کی مساعی ہیں جن کے ذریعے انہوں نے نظمِ قرآن' اسالیبِ قرآن اور تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں اپنے استاذ و امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کے کام کو آگے بڑھایا۔
- پھر اسی پر بس نہیں'
- انہوں نے شریعتِ اسلامی کے بعض اہم مسائل' بالخصوص عائلی قوانین کے ضمن میں مغربی رجحانات کی مذمت و مخالفت اور احکامِ شرعی کی حفاظت و مدافعت کے سلسلے میں جو مؤثر خدمات سرانجام دیں ان کا لوہا ہر شخص مانتا ہے۔
- چنانچہ' اس کے باوجود کہ بعض دوسرے حوادث و واقعات کی بنا پر مولانا سے راقم الحروف کا ملنا جلنا ۱۹۷۶ء سے بند تھا'
- اور ''حدِّ رجم'' کے بارے میں ان کی رائے کی بنا پر تو راقم نے ۱۹۸۲ء میں ان کی جملہ تصانیف کا حق اشاعت بھی انہیں واپس کر دیا تھا اور ان سے اپنے تعلق کے کامل انقطاع کا اعلانِ عام بھی کر دیا تھا' (شائع شدہ ''حکمت قرآن'' بابت جولائی و اگست ۱۹۸۲ء)
- تاہم..... راقم کو یہ اندیشہ نہیں تھا کہ مولانا کی اس غلطی کی بنیاد پر کوئی فتنہ کھڑا ہو سکتا ہے۔
- لیکن..... متذکرہ بالا نوجوان کے طرزِ عمل سے راقم کو یہ تنبّہ ہوا کہ ایک عظیم فتنہ شروع ہوا چاہتا ہے جس کی سرکوبی ''گر بہ کشتن روزِ اوّل'' کے مصداق ابتدا ہی میں لازمی ہے۔
- چنانچہ راقم نے اپنی بساط کی حد تک اس کی کوشش کی۔
- اور الحمدللہ کہ اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔

(اس معاملے میں راقم کے احساسات کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نوجوان کے ساتھ ربط ضبط بڑھانے اور اس کے ساتھ ایک تنظیمی سلسلے میں منسلک ہو جانے کی بنا پر راقم نے اپنے ایک دیرینہ سرپرست اور تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل شخصیت مولانا سید وصی مظہر ندوی سے بھی قطع تعلق کر لیا۔)

- اس کے ساتھ ہی راقم کو یہ احساس بھی ہوا کہ ماضی قریب میں قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں سے اسی طرح فتنے جنم لیتے رہے ہیں۔
- اور غالباً یہی سبب ہے کہ ع ''سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا!''..... کے مصداق علماء کرام

خدمتِ دین کی نئی تحریکوں اور بالخصوص قرآن کے نام پر اٹھنے والی دعوتوں کے بارے میں ''اندیشہ ہائے دور ودراز'' میں مبتلا ہو جاتے ہیں!

- اس ضمن میں یہ عملی مسئلہ بھی راقم کے سامنے آن کھڑا ہوا کہ اس صورتِ حال کا سدّ باب کیسے کیا جا سکتا ہے............اور
- خود راقم الحروف اور اس کی دعوت وتحریک کو اس انجامِ بد سے بچنے کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہئیں اور کون سی احتیاطیں ملحوظ رکھنی چاہئیں؟
- چنانچہ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ کے جمعۃ الوداع میں راقم نے اس موضوع پر ایک مفصل تقریر کی جو ''میثاق'' بابت ستمبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔
- اس پر جہاں بعض اکابر کا بحیثیت مجموعی موافق وتائیدی ردّعمل سامنے آیا' جیسے:
- ....مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم ومغفور' سابق صدر شعبۂ معارف اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' وسابق صدر شیخ الہندؒ اکیڈمی' دیوبند
- ....مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ' مہتمم وشیخ التفسیر' جامعہ رحیمیہ' دہلی......اور
- ....مولانا سید حامد میاں مدظلہ' مہتمم وشیخ الحدیث' جامعہ مدنیہ' لاہور
- وہاں معاصر ''الخیر'' ملتان اور ''بیّنات'' کراچی نے مخالفانہ مہم بھی شروع کر دی' جس پر ردّ وقدح اور قال واقول کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
- جو ان حضرات کی جانب سے تو تاحال جاری ہے' البتہ راقم نے ۸۵۔۱۹۸۴ء میں ضروری وضاحتوں کے بعد اپنی جانب سے بحث منقطع کر دی تھی۔
- تاہم......اب لگ بھگ دو سال بعد اس ''مقدمہ'' کا پورا ریکارڈ علماء کرام' بالخصوص منتسبینِ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں فوری حوالے کے لیے یکجا صورت میں حاضر ہے
- تاکہ............وہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ علیٰ وجہ البصیرت ادا فرما سکیں......

اور

- اگرچہ ہمیں شدت کے ساتھ احساس ہے کہ علماءِ حق اس کے محتاج نہیں'
- تاہم ''کَلَّآ اِنَّھَا تَذۡکِرَۃٌ'' کے مصداق اس گزارش میں مضائقہ بھی نہیں' کہ وہ......تنظیم اسلامی......اور اس کے داعی ومؤسس کے بارے میں رائے قائم فرماتے ہوئے حسبِ ذیل قرآنی ہدایات کو ملحوظ خاطر رکھیں:

❁ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾

❁ ﴿كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾

﴿كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾

(۲)

❁ ''تنظیم اسلامی'' کی تأسیس بالفعل تو مارچ ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔

❁ لیکن اس کے قیام کے فیصلے کا اعلان راقم الحروف نے جولائی ۱۹۷۴ء میں مسلم ہائی اسکول لاہور میں منعقدہ اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے آخری دن اپنی اختتامی تقریر میں کیا تھا۔ (یہ تقریر اب ''عزمِ تنظیم'' کے نام سے طبع ہوتی ہے!)

❁ یادش بخیر' اس تربیت گاہ کی افتتاحی تقریب کے مہمانِ خصوصی شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرزند ارجمند وخلف الرشید مولانا عبید اللہ انورؒ تھے۔

......(اس تقریب کا یہ واقعہ بھی ریکارڈ پر آ جائے تو اچھا ہے کہ جب راقم نے اپنے استقبالی سپاس نامے میں مولانا موصوفؒ سے بصد ادب و احترام یہ شکوہ کیا کہ ان کے برادر بزرگ مولانا حبیب اللہؒ کے حجاز ہجرت کر جانے اور برادر خورد مولانا حمید اللہؒ کے انتقال فرما جانے کے بعد سے جامع مسجد شیرانوالہ میں درس قرآن کا سلسلہ بند ہے تو انہوں نے پورے کھلے دل کے ساتھ اور نہایت برملا الفاظ میں اعترافِ تقصیر فرمایا اور خود راقم الحروف کے بارے میں اقبال کا یہ مصرعہ پڑھتے ہوئے کہ ع ''پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے'' اس اطمینان کا اظہار فرمایا کہ بحمد اللہ خدمتِ قرآن کا یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔)

❁ باز آمدم بر سر مطلب...... اس کے بعد 'میثاق'' کی اکتوبر' نومبر ۱۹۷۴ء کی مشترک اشاعت میں راقم کی ایک طویل تحریر شائع ہوئی جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ ''تنظیم اسلامی'' کے عنوان سے دین کی جس خدمت کا بیڑا اٹھانا مقصود ہے امتِ مسلمہ کی چودہ سوسالہ تاریخ کے پس منظر اور معاصر دینی تحریکوں اور تنظیموں کے تناظر میں اس کا موقف و مقام کیا ہے۔ (یہ تحریر بھی اب ''تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر'' کے نام سے طبع ہوتی ہے۔)

❁ چنانچہ اپنی اس تحریر میں راقم نے امت مسلمہ کی چودہ سوسالہ تاریخ کے دوران عروج اور

زوال کے مختلف ادوار کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا.....

- اور ''موجودہ ہمہ جہتی احیائی عمل'' اور اس میں شامل تحریکوں اور تنظیموں کے بارے میں اپنی رائے بھی پیش کی۔
- راقم کے نزدیک اس ''ہمہ جہتی احیائی عمل'' کے تین نمایاں منفرد اور ممتاز گوشے ہیں:
- .....ایک: خالص قومی و ملی تحریکیں جن کا اصل موضوع ہے جہادِ حریّت و استخلاصِ دیارِ مسلمین، یعنی مسلم ممالک کی سیاسی غلامی کا خاتمہ اور آزادی کا حصول
- .....دوسرے: علماءِ کرام کی مساعی جن کا اصل ہدف ہے تصحیح عقائد و اعمال، تعلیمِ کتاب وسنت، حفاظتِ دین وشریعت.....اور باطل فرقوں کا ابطال اور جدید فتنوں کا استیصال
- .....تیسرے: مثبت احیائی وتجدیدی مساعی جن کا معین مقصود ہے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق، یا بالفاظ دیگر اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت کا قیام!
- اور یہ تینوں گوشے مل جل کر، اور یہ جملہ مساعی بحیثیت مجموعی تسلسل ہیں اُمتِ محمد ﷺ کی تاریخ کے ''الفِ ثانی'' (یعنی دوسرے ہزار سال) کی تجدیدی مساعی کے سنہری سلسلے کا!
- راقم کے نزدیک، برِعظیم پاک و ہند کی بیسویں صدی عیسوی کی مسلمان تحریکوں میں سے ''تحریک پاکستان'' گوشۂ اوّل سے تعلق رکھتی ہے، جبکہ علماءِ کرام کی جملہ جمعیتیں اور ادارے اور بالخصوص تبلیغی جماعت کا تعلق دوسرے گوشے سے ہے، جبکہ تیسرے سلسلے کے داعیٔ اوّل کی حیثیت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ومغفور کو حاصل ہے!

.....❁.....

- ''الف ثانی'' کے تجدیدی کارنامے کا نقطۂ آغاز اور گیارہویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم تو بلاشک وشبہ شیخ احمد سرہندیؒ ہیں.....لیکن ان کے ہم عصر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی علمی خدمات بھی یقیناً قابلِ تحسین ہیں۔
- اسی طرح بارہویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم تو بلاشائبہ ریب و شک امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں لیکن شیخِ نجد محمد ابن عبدالوہابؒ کی اصلاحی کوششیں بھی یقیناً قابلِ تعریف ہیں۔

- اسی طرح تیرہویں صدی ہجری کے اصل مجدّد تو مجاہد کبیر سید احمد بریلویؒ ہیں‘ تاہم ان کے نائب ومعاون شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک اور سہیم ہیں!
- چودھویں صدی ہجری کے بارے میں راقم کا یہ گمان رفتہ رفتہ یقین کے درجے تک پہنچ گیا ہے کہ اس کے مجدّدِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہیں..... (اگرچہ بعض دوسرے اصحاب دعوت وعزیمت کے علاوہ ایک ع ’برہمن زادۂ رمز آشنائے روم وتبریز است‘‘ کی سچی تصویر اور ع ’’اگرچہ سرنہ تراشد قلندری داند‘‘ کا مصداقِ اتمّ اور ڈاڑھی منڈا عاشق احمد مرسل ﷺ و پروانۂ احمد سرہندیؒ یعنی علامہ اقبال مرحوم ومغفور کی مساعی بھی حد درجہ دُوررس اور ازبس نتیجہ خیز ہیں!)

.....❁.....

- عجیب بات ہے کہ اپنے انتقال کے قریب حضرت شیخ الہندؒ نے ’’خرقۂ خلافت‘‘ عطا فرمادیا ایک ایسے شخص کو جو نہ صرف یہ کہ نہ ان کے تلامذہ میں سے تھا‘ نہ حلقہ دیوبند سے تعلق رکھتا تھا‘ بلکہ علماء کے دیگر معروف حلقوں اور سلسلوں میں سے بھی کسی سے منسلک نہ تھا.....
- حتیٰ کہ علماء کی سی وضع قطع بھی نہ رکھتا تھا‘ بلکہ بقول خود ’’گلیم زہد اور ردائے رندی‘‘ دونوں کو بیک وقت زیبِ تن کرنے کے ’’جرم‘‘ کا مرتکب تھا.....

اور عجیب اتفاق ہے کہ اس کا نام بھی احمد ہی تھا‘ اگرچہ وہ مشہور یا اپنی کنیت سے ہوا یا تخلص سے‘ یعنی ’’ابوالکلام آزاد‘‘

- **یہ ہمارے ماضیٔ قریب کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے جس پر معاصرانہ چشمک نے انتہائی دبیز پردہ ڈال دیا ہے!**
- لیکن ؎

’’سِرِّ خدا کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید!‘‘

کے مصداق اس ’’راز‘‘ کی بھنک پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم ومغفور کی زبانی راقم الحروف کے کان میں پڑ گئی۔

- اگرچہ ان کی بیان کردہ روایت میں زمانی ومکانی ہر نوع کے سقم تھے

- تاہم یہی سقم تحقیق وتفتیش کا سبب بن گئے۔
- اوراس طرح مسلم انڈیا کی ماضی قریب کی تاریخ کا ایک اہم لیکن گم شدہ باب روشنی میں آ گیا۔
- اوراس تحقیق وتفتیش کے اضافی ثمرے کے طور پر راقم الحروف پر حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت بہ تمام وکمال منکشف ہوگئی۔
- **فَلِلّٰہِ الحمد!**
- بہرحال اب اس بات کے سامنے آ جانے کے بعد ہر اس شخص پر جو حضرت شیخ الہندؒ سے کسی بھی درجہ میں قلبی تعلق یا نسبتِ عقیدت رکھتا ہو لازم ہے کہ وہ:

.....اولاً اس واقعہ کی اپنے طور پر مزید تحقیق کرے اور اگر اسے درست پائے تو

- .....پھر: غور کرے کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟ ان شاء اللہ العزیز اس سے اس کے فکر ونظر کو جلا اور قلب وذہن کو وسعت حاصل ہوگی اور امتِ مسلمہ بالخصوص مسلمانانِ برعظیم پاک وہند کے موجودہ ظروف واحوال اور ان کے تاریخی پس منظر کے بارے میں گہری بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

.....۞.....

- مولانا ابوالکلام آزاد کا سن پیدائش ۱۸۸۸ء ہے۔
- ۱۹۱۲ء میں چوبیس برس کی عمر میں انہوں نے ''الہلال'' جاری کیا۔
- ''الہلال'' کے مضامین کا نقطہ ماسکہ جسے اس کی علامت وعنوان قرار دیا جا سکتا ہے ''دعوت رجوع الی القرآن'' تھا!
- اس کی دعوت کا دوسرا اہم نکتہ تھا جہاد وقتال فی سبیل اللہ.....اور اس کی تمہید کے طور پر ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر''!
- ابوالکلام کی اس دعوت کی توثیق وتصویب اور تعریف وتحسین حضرت شیخ الہندؒ نے ان الفاظ کے ذریعے فرمائی کہ ''اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا ہے!'' (راقم الحروف کو حضرت شیخ الہندؒ کے اس مشہور قول کی سند مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بالمشافہہ حاصل ہوگئی تھی!)
- ۱۹۱۳ء میں مولانا آزاد نے ایک جانب قرآن کے مبلّغ ومعلّم تیار کرنے کے لیے کلکتہ میں ''دارالارشاد'' قائم کیا اور دوسری جانب اقامتِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے

''حزب اللہ'' قائم کی جس کی اساس ''بیعت'' پر استوار کی!

- ۱۹۱۵ء میں انہوں نے خود (گویا اپنے جملہ مبایعین سمیت) حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کر لی! (اس بات کی تردید متعدد حضرات کی جانب سے ہوئی' اور اب خود مجھے بھی یاد نہیں آ رہا ہے کہ یہ میں نے کہاں پڑھا تھا!)
- اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کے قول کے مطابق اسی سال حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے بارے میں اپنے جذبات اس شعر کے ذریعے ظاہر فرمائے کہ ؎

کامل اس طبقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے!

- مولانا موصوف پیدائشی طور پر حد درجہ ذہین و فطین بلکہ نابغۂ عصر تو تھے ہی'
- اس پر مستزاد' انہیں متعدد مسلمان ممالک کے حالات کا بچشم سر مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا۔
- مزید برآں' انہوں نے مغربی فکر و فلسفہ..... اور خاص طور پر سیاسیات و عمرانیاتِ جدیدہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔
- چنانچہ انہیں خوب معلوم تھا کہ
- .....فی الوقت برِعظیم پاک و ہند میں کسی عسکری تحریک کا کوئی امکان نہیں!
- .....کسی دوسرے مسلمان ملک سے مدد کا بھی کوئی سوال نہیں' گویا اب کوئی احمد شاہ ابدالی مسلمانانِ ہند کی مدد کے لیے نہیں آ سکتا!
- .....بلکہ اب ''استخلاصِ وطن'' کی جدوجہد ہو یا غلبۂ اسلام اور اقامتِ دین کی سعی' تمام کام خالص مقامی لیکن عوامی تحریکوں کے ذریعے ہی ہو سکیں گے!
- لہٰذا' ان کا مشورہ یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان ہی میں رہ کر عوامی تحریک برپا کریں۔
- لیکن افسوس کہ اُس وقت حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ان مشیروں کی رائے پر عمل کیا جو دینی علم میں تو بہت دسترس رکھتے تھے لیکن ان کا ہاتھ حالاتِ جدیدہ کی نبض پر نہ تھا!
- اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:
- اُدھر بیرونِ ہند نام نہاد مسلمان امراء و سلاطین نے غداری کی اور ایک طرف شریف حسین والیٔ مکہ نے حضرت شیخ الہندؒ کو گرفتار کر کے گویا چاندی کی طشتری میں سجا کر

انگریزوں کے سامنے پیش کر دیا' جنہوں نے انہیں ہندوستان کی کسی جیل میں نہیں بلکہ مالٹا میں نظر بند کیا!

.....(راقم کے نزدیک علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر بہ تمام وکمال صادق آتا ہے حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا کی اسیری پر کہ ؎

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

- یہی سلوک افغانستان میں امیر کابل کے ہاتھوں حضرت شیخ الہندؒ کے سفیر اور معتمد خصوصی مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے ساتھ ہونے والا تھا کہ انہیں بروقت اطلاع مل گئی اور وہ روس کی جانب فرار ہو گئے!
- اِدھر اندرونِ ملک ریشمی رومالوں کے راز کے افشا پر علماء کرام اور خادمانِ دین متین نے توع ''من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را!'' کے مصداق پکڑ دھکڑ' قید و بند اور تعذیب و ابتلا کے نئے باب رقم کیے۔ لیکن چونکہ ملک میں کوئی عوامی تحریک موجود نہ تھی' لہٰذا نہ زمین پر کوئی ہلچل برپا ہوئی نہ فضا میں کوئی ارتعاش پیدا ہوا!
- ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ اسیری سے رہائی پا کر واردِ ہند ہوئے تو انہوں نے کمالِ ضعف و نقاہت اور شدتِ مرض و علالت کے باوجود چھ ماہ کے مختصر سے عرصے میں تین اہم کام سرانجام دیئے:
- .....ایک: اپنے تلامذہ اور مسترشدین کو ہدایت کہ اپنی تمام تر توجہات کو خدمتِ قرآن پر مرکوز کر دیں.....جس کا مظہر اتم آپؒ کا خطبۂ دیوبند ہے! (بروایت حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ)
- .....دوسرے: قدیم اور جدید تعلیم.....اور قومی و ملی اور دینی و مذہبی تحریکوں کے مابین فصل و بُعد کو کم کرنے کی کوشش.....جس کا سب سے بڑا مظہر آپؒ کا سفر علی گڑھ اور تأسیس جامعہ ملّیہ ہے!
- تیسرے: علَمِ جہاد بلند کرنے کے لیے ایک عوامی تحریک کے آغاز کے لیے کسی صاحب دعوت و عزیمت اور حامل فہم و بصیرت بالخصوص موجودہ زمانے کے سیاسی و عمرانی ظروف و احوال سے کماحقہٗ واقف شخص کے ہاتھ پر بیعت کی تجویز اور اس کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی تعیین!.....جس کے ضمن میں حضرت شیخ الہندؒ کے اضطرار و اصرار

کا مظہر ان کا یہ قول ہے کہ ''میری چارپائی سٹیج پر لے جائی جائے تاکہ میں خود بیعت کر لوں' اس لیے کہ میں دنیا سے بغیر بیعت کیے رخصت ہونا نہیں چاہتا'' (روایت بالمعنی)

- تو..... اگرچہ اصلاً مشیت خداوندی اور ظاہراً بعض علماء کی جانب سے فوری طور پر اختلاف اور بعدازاں باقاعدہ مخالفت کی بنا پر شیخ الہندؒ کی یہ تجویز ناکام ہوگئی۔
- تاہم ..... یہ ثابت ہوگیا کہ جہاں علم وفضل اور تقویٰ و تدیّن کے میدان میں حضرت شیخ الہندؒ کی جانشینی کا شرف حاصل ہے مولانا حسین احمد مدنیؒ' مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہم کو..... وہاں دعوت وتحریک کے میدان میں حضرت شیخ الہندؒ کے اصل خلیفۂ مجاز تھے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ومغفور!
- جہاں تک مولانا آزاد کی ۲۱-۱۹۲۰ء کے بعد کی زندگی کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ اصلاً راقم کا موضوع نہیں ہے'
- تاہم دلائل وشواہد سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ:
- علماءِ کرام کی عمومی مخالفت..... جس کا آغاز تو بعض غیر دیوبندی علماء کی جانب سے ہوا تھا' لیکن بعدازاں اس میں بہت سے دیوبندی علماء حتیٰ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے بعض تلامذہ بھی شامل ہوگئے تھے۔..... سے بددل ہوکر انہوں نے ''بیعت'' کی ٹھیٹھ شرعی اساس پر ایک خالص دینی تحریک کا خیال دل سے نکال دیا۔
- اور اگرچہ اپنی روایتی وضعداری کے تحت انہوں نے جمعیت علماء کے جلسوں میں اکثر و بیشتر خاموش سامع وناظر کی حیثیت سے شرکت جاری رکھی تاہم اپنے اصل میدانِ عمل کے اعتبار سے انہوں نے:
- اولاً..... تحریک خلافت کے ذریعے ایک ملی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔
- اور اس کے بعد مستقل طور پر جہادِ حریت واستخلاصِ وطن کو اپنا اصل موضوع بنا کر انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم کو اختیار کرلیا۔
- جس پر وہ ع ''وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے!'' کی سی شان کے ساتھ آخر دم تک قائم رہے!

.....(اس ضمن میں بطور تحدیث نعمت ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہے۔ آج سے لگ بھگ پچیس سال قبل زندگی میں پہلی بار حیدرآباد دکن جانا ہوا تو وہاں درسِ قرآن اور خطاباتِ عام کی بیسیوں مجالس کے علاوہ ایک خطاب مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی

ٹیوٹ میں منعقدہ جلسے میں بھی ہوا' جس میں وہاں کے احباب کے بقول حیدرآباد کے تمام مسلمان اربابِ فکر ونظر اور اصحابِ علم و دانش جمع تھے۔ اس موقع پر جب راقم نے یہ نکتہ بیان کیا کہ ''مولانا آزاد مرحوم کی زندگی کے دو دور بالکل مختلف اور متمائز تھے۔ ایک ۱۹۱۲ء سے ۲۱۔۱۹۲۰ء تک کا دور جو اصلاً تسلسل تھا تحریک شہیدینؒ کا..... اور دوسرا ۱۹۲۱ء کے بعد کا دور جو حقیقتاً تعلق رکھتا تھا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے!'' تو ایک جانب تو صدر جلسہ نے جو پرانے کانگریسی رہنما اور تحریک آزادی کے صفِ اوّل کے کارکنوں میں سے تھے' اور آزادی کے بعد بھارت کے متعدد صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے اور اب ضعیف ونحیف ہی نہیں علیل و صاحبِ فراش بھی تھے' بڑے رقت آمیز انداز اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا: ''مولانا! آپ نے تو بہت سی پرانی یادیں تازہ کر دیں اور پرانے زخموں کو ہرا کر دیا!''..... اور دوسری جانب ایک صاحب نے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات کی صدارت سے ریٹائر ہوئے تھے' فرمایا کہ ''میں نے درجنوں طلبہ کو تحریک آزادیٔ ہند کے مختلف گوشوں اور بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت و سیاست کے موضوع پر پی ایچ ڈی کرادی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود مجھے مولانا مرحوم کی سیرت و شخصیت کا جو فہم آج حاصل ہوا ہے' وہ اس سے قبل نہ تھا!'')

.....۞.....

- جس طرح بارہویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عظمت وجلالت اور خصوصاً جامعیتِ کبریٰ کا مظہر ان کی تصانیف ہیں'
- اسی طرح چودھویں صدی کے مجدّد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی عظمت و جامعیت کے مظہر کامل ان کے عظیم تلامذہ ہیں۔
- اگر شیخ الہندؒ کی تجویز کامیاب ہو جاتی تو کم از کم اس ''جماعت شیخ الہندؒ'' کا شیرازہ قائم رہتا اور اب اس کا اندازہ بصد حسرت و یاس ہی کیا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں اس جماعت کی قوت وشوکت کس قدر ہوتی!
- لیکن افسوس کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز کی ناکامی کے باعث ان کے انتقال کے بعد رفتہ رفتہ یہ شیرازہ بکھرتا چلا گیا۔
- تاہم .....جس طرح امام الہندؒ کو یہ کشف ہوا تھا کہ ''میں قائم بالرّ ماں ہوں اور اللہ تعالیٰ جس خیر کا ارادہ فرماتا ہے' اس کے لیے مجھے بطور آلہ استعمال فرماتا ہے''

❁ بالکل اسی طرح.....واقعہ یہ ہے کہ شیخ الہندؒ کے بعد کم از کم برعظیم پاک و ہند کی حد تک جو خیر بھی ظاہر ہوا' اس میں ان کے تلامذہ کا حصہ نمایاں نظر آتا ہے۔

❁ چنانچہ:

❁ .....خالص جہادِ حریت و استخلاصِ وطن کے میدان میں انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم سے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مولانا حسین احمد مدنیؒ اور بے شمار علماءِ کرام نے جو کردار ادا کیا وہ نہایت تابناک ہے۔

(اگرچہ بعد میں کانگرس اور مسلم لیگ کے سیاسی تصادم اور مسلم انڈیا کے مستقبل کے بارے میں اختلافِ رائے اور اس کے ضمن میں پیدا ہونے والی تلخی نے ان حضرات کے کردار کی عظمت کو مسلمانانِ ہند کی عظیم اکثریت کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا اور وہ متنازعہ شخصیتوں کی حیثیت اختیار کرتے چلے گئے۔)

❁ اسی طرح مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک اور اس کے نتیجے میں پاکستان کے قیام کے ضمن میں نہایت عظیم اور فیصلہ کن خدمات سرانجام دیں حضرت شیخ الہندؒ کے دوسرے معتمد علیہ رفیق اور شاگرد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے رفقاء نے' جن کے ذریعے جماعت شیخ الہندؒ کا پیوند تحریک پاکستان میں لگ گیا۔

.....(اس ضمن میں اس حقیقتِ واقعی کا استحضار بہت اہم ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی ملی مساعی کے سلسلے میں اپنا دستِ راست مولانا عثمانیؒ کو بنا دیا تھا۔ چنانچہ شیخ الہندؒ کا خطبہ علی گڑھ بھی ان کے حسبِ منشا مولانا عثمانیؒ ہی نے تحریر کیا تھا' اور جمعیت علماء ہند کے اجلاس دہلی' منعقدہ نومبر ۱۹۲۰ء کا خطبۂ صدارت بھی ان کے زیرِ ہدایت انہی نے لکھا بھی تھا اور ان کے نمائندے کی حیثیت سے پڑھ کر سنایا بھی تھا!)

❁ .....اسی طرح خالص علمی خدمات کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے بیہقیٔ وقت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ اور ان کے تلامذہ نے' جن کی ایک تابناک مثال مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ تھے!

❁ .....رہے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم تو وہ خود تو ریشمی رومالوں کی تحریک کی ناکامی کے بعد طویل عرصے تک جلا وطن رہے' تاہم ان کے دو شاگردوں یعنی مولانا عبدالحی فاروقیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ارضِ لاہور میں ''قرآن کی انقلابی دعوت'' کے شجرۂ طیبہ کی تخم ریزی اور آبیاری کے ضمن میں نمایاں کردار ادا کیا۔

(چنانچہ لاہور میں راقم کی دعوتِ قرآنی کو جو پذیرائی حاصل ہوئی اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کی فضا میں خواجہ عبدالحی فاروقیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دروسِ قرآن کے اثرات موجود تھے..... اور اگرچہ راقم نے خواجہ صاحب کو تو دیکھا تک نہیں' حضرت لاہوریؒ کی زیارت بھی صرف ایک بار ہوئی اور کسی قریبی رابطے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی' تاہم راقم کا گمان غالب ہے کہ اگر اسے نہیں تو اس کی قرآنی تحریک کو بلاشائبہ ریب وشک ان دونوں بزرگوں سے نسبت اویسیؒ حاصل ہے.....اس کے دو مظاہر بھی قابل ذکر ہیں۔

ایک یہ کہ جامع مسجد خضراء سمن آباد' جس میں راقم کی دعوتِ قرآنی کا پودا ابتداءً پروان چڑھا اور جہاں لگ بھگ دس سال تک اس دعوت کا غلغلہ پوری شدت کے ساتھ بلند ہوتا رہا اور ذرائع آمد و رفت کی شدید دشواریوں کے باوجود لاہور کے کونے کونے سے لوگ وہاں پہنچتے رہے.....اس کے بارے میں ایک عرصے کے بعد راقم کو معلوم ہوا کہ اس کا سنگ بنیاد مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دستِ مبارک کا رکھا ہوا تھا!

دوسرے یہ کہ جب لگ بھگ ستر برس کی عمر کے ایک بزرگ نے میرے تین چار دروس ہی میں شرکت کے بعد ایک روز اچانک میرا ہاتھ کھینچ کر اور اس پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ ''میں اقامتِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدوجہد کے لیے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں!'' تو فوری طور پر تو میں حیران وششدر رہ گیا' اس لیے کہ اس وقت تک میں نے تنظیم اسلامی کے قیام کا فیصلہ بھی نہیں کیا تھا' کجا یہ کہ بیعت کا خیال دل میں آتا.....لیکن بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی نوجوانی میں خواجہ عبدالحی فاروقیؒ کے دروس سنے تھے' بعدازاں حضرت لاہوریؒ سے نہ صرف دورۂ تفسیر قرآن بلکہ سلوک کی بھی تکمیل کی تھی' تو حیرت ختم ہو گئی اور یہ احساس ہوا کہ ع ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا!'' یہ بزرگ تھے حاجی عبدالواحد مرحوم ومغفور۔ ان کے انتقال پر جو نوٹ ''میثاق'' میں شائع ہوا تھا' وہ بھی اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔)

.....۞.....

- اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی مثبت دعوت.....اور دینِ حق کے غلبہ واقامت کی راست تحریک کے میدان میں جو خلا مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی بددلی اور پسپائی کے باعث پیدا ہوا تھا اسے قدرت نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ومغفور کے ذریعے پُر کرایا۔
- جنہوں نے مولانا آزاد مرحوم کے انتقالِ موقف کے لگ بھگ نو دس سال بعد ہی اپنی

دعوت وتحریک کے لیے ابتدائی اور تمہیدی کام شروع کر دیا۔ اور ''حزب اللہ'' کے خاتمے کے تقریباً بیس سال بعد ''جماعت اسلامی'' کے نام سے ایک نیا قافلہ تشکیل دیا!

- وہ اگرچہ...... نہ براہِ راست حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ یا مسترشد تھے' نہ باضابطہ طور پر کبھی مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے منسلک رہے تھے'
- تاہم حقیقت وہی ہے جو مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ نے بیان فرمائی کہ وہ تھے علماءِ دیوبند ہی کے تربیت یافتہ۔ اس لیے ان کی صحافتی زندگی کی ابتدا اور تصنیف وتالیف کے شغل کا آغاز جمعیت علماءِ ہند کے آرگن روزنامہ ''الجمعیۃ'' ہی کی ادارت سے وابستگی کی صورت میں ہوا تھا۔
- اس کے ساتھ ساتھ وہ ''الہلال'' اور ''البلاغ'' والے ابوالکلام کی دعوت سے بے حد متأثر تھے' اور انہوں نے ان کے قرآنی فکر اور جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق نظریات سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔

............(اس سلسلے میں اگرچہ یہ بات تو نہایت افسوس ناک ہے کہ خود انہوں نے کبھی اس حقیقت کا برملا اعتراف نہیں کیا...... تاہم دو مواقع پر غالباً کسی کیف کے عالم میں جو الفاظ ان کے قلم سے ٹپک گئے ان سے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے' یعنی ایک...... وہ الفاظ جن کے ذریعے انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ اس دور میں جس شخص سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی سب سے زیادہ امیدیں وابستہ تھیں وہ مولانا آزاد تھے' اور

دوسرے............ اس سے کہ انہوں نے مولانا آزاد کو ان کی زندگی ہی میں ''مرحوم'' قرار دیا' جس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولانا آزاد کی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کی دعوت اور تحریک کے ساتھ ان کی فکری اور جذباتی وابستگی کس درجہ کی تھی اور اس سے ان کی پسپائی کا انہیں کس قدر صدمہ ہوا تھا!)

- راقم کے نزدیک مولانا مودودی مرحوم کی سب سے بڑی کمزوری ان کی ''انتہا پسندی'' تھی...... جس نے ایک مختصر سے دور کے سوا' ان کی پوری زندگی کو ''تضادات'' کا مرقع اور رجعتوں کی داستان بنا کر رکھ دیا............ اور بالآخر یہی انتہا پسندی ان کی ناکامی کا اصل سبب بنی!
- اگرچہ فوری نتائج کے اعتبار سے یہی ان کی سب سے بڑی ''خوبی'' اور ابتدائی کامیابیوں کا ''راز'' بن گئی...... اس لیے کہ جو کوئی ایک بار ان کا گرویدہ ہوا وہ قطعی اور

مستقل طور پر بقیہ تمام اکابر امت سے ذہناً وقلباً منقطع اور دوسری تمام دینی تحریکوں اور تنظیموں سے کلیۃً بیزار ہوکر رہ گیا.....

- اور اس طرح ''جماعت بندی'' کا کٹھن مرحلہ آسان ہوگیا!
- ان کی اس ''انتہا پسندی'' کا اوّلین مظہر یہ تھا کہ انہوں نے ''متحدہ قومیت'' کو نہایت شدّ ومد کے ساتھ ''کفر'' قرار دیا.....اور کانگرسی مسلمانوں اور جمعیت علماء ہند اور اس کی قیادت پر نہایت جارحانہ ہی نہیں حد درجہ دل آزار تنقیدیں کیں۔
- اس سے یہ تو ضرور ہوا کہ.....ایک جانب' مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک کو تقویت حاصل ہوئی اور.....دوسری جانب' خود انہیں نہایت وسیع حلقے میں پذیرائی نصیب ہوئی۔
- لیکن جمعیت علماء ہند سے وابستہ علماء کرام اور خاص طور پر مولانا حسین احمد مدنیؒ کے عقیدت مندوں کا اکثر و بیشتر حلقہ ان سے شدید بیزار ہوگیا۔
- اور دُوررس نتائج اور دیرپا عواقب کے اعتبار سے یہی چیز ان کے قدموں کی زنجیر اور ان کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب بن گئی!
- اس کے کچھ ہی عرصے بعد.....انہوں نے ''مسلم قومیت'' کو بھی ''کفر بواح'' کا ہم پلہ قرار دے دیا اور اس کے ساتھ کسی مفاہمت یا تعاون کو ''گناہِ کبیرہ'' قرار دیتے ہوئے' مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک کی منجدھار سے کٹ کر ''جماعت اسلامی'' کے نام سے اپنا ایک علیحدہ قافلہ تشکیل دے لیا' اور
- **ایک خالص اصولی' اسلامی انقلابی دعوت وتحریک کی بنیاد رکھ دی۔**
- اور ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم مولانا مرحوم کی ذاتی وشخصی کوتاہیوں' علمی وفکری لغزشوں' اور پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں متعدد فاش غلطیوں سے واقف ومطلع اور ان کا قائل ومعترف ہونے کے باوجود
- اور اس کے باوصف کہ ''جماعتِ اسلامی'' سے اس کی علیحدگی کو تیس سال سے زائد گزر چکے ہیں۔(اب یہ مدت اکیاون (۵۱) سال ہوچکی ہے۔)
- آج بھی اس رائے کا حامل ہے کہ
- ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک ان کی تحریکِ اسلامی خالص اصولی اور انقلابی طریق کار پر عمل پیرا اور گویا منہاجِ نبوت ورسالت پر قائم اور گامزن رہی!
- اور اس طرح اس نے اس دعوت وتحریک کے تسلسل کو جاری رکھا جس کے بیسویں صدی

عیسوی کے داعیٔ اوّل تھے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور!

❁ یہی وجہ ہے کہ متعدد اہم اشخاص جو پہلے مولانا آزاد سے بیعت اور ''حزب اللہ'' میں شریک تھے' جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے' جیسے مستری محمد صدیق مرحوم' ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم اور شیخ قمر الدین مرحوم!

❁ لیکن افسوس کہ اپنے پیش رو کے مانند اس تحریک کا یہ دَور ثانی بھی ع ''خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود!'' کا مصداقِ کامل ثابت ہوا.....اور

❁ تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کے موقع پر حالات کی ایک ظاہری اور سطحی تبدیلی سے متأثر ہو کر مولانا مودودی نے اپنی مساعی اور جدوجہد کا رُخ ایک قومی و سیاسی تحریک اور انتخابی طریقہ کار کی جانب موڑ دیا۔

❁ اس موضوع پر راقم کو اس وقت زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ:

❁ .....اولاً اس کی اصل دلچسپی اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کی اس اصل اصولی و انقلابی تحریک سے ہے جس کے دو منفصل اَدوار کا ذکر اوپر ہوا ہے..... نہ کہ مولانا مودودی کے اس سے ماقبل یا مابعد کے افکار و نظریات یا پالیسی اور حکمت عملی سے!

❁ .....ثانیاً اس اصولی اسلامی انقلابی موقف سے مولانا مودودی کے انحراف یا انقلابِ حال کے موضوع پر راقم کی ایک مفصّل تالیف ''تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ'' کے نام سے موجود ہے۔

❁ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم..... اور جماعت اسلامی کی پالیسیوں کے تضادات کی داستان بہت طویل ہے۔

❁ لیکن جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' راقم کی اصل دلچسپی ان موضوعات سے نہیں ہے' بلکہ اسے افسوس اور تشویش صرف اس پر ہے کہ

❁ اسلام کی اصولی' انقلابی دعوت اور غلبۂ دینِ حق کی منہاجِ نبوت و رسالت والی تحریک

❁ ع ''اِک دمکتا چراغ تھا' نہ رہا!'' کی مصداق بن گئی۔

❁ **فَوَا حَسْرَتَا و یَااَسَفَا!**

.....❁.....

❁ اور اسی خلا کو پُر کرنے

❁ اور براہِ راست ''اسلام کی نشأۃِ ثانیہ'' کی دعوت و تحریک اور ''غلبہ و اقامتِ دین'' کی

جدوجہد کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کا مظہر ہے ''تنظیم اسلامی''

- جو راقم کی نسبت سے تو یقیناً نہایت حقیر بھی ہے اور بے وقعت بھی
- لیکن اپنے ہدف و مقصود اور اپنے تاریخی پس منظر کے اعتبار سے نہایت اہم بھی ہے اور عظیم بھی!
- چنانچہ راقم سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے
- کہ راقم کی دعوت و تحریک کے بھی دو حصے اور شعبے ہیں:
- .....ایک ''دعوت رجوع الی القرآن''.....جس کے لیے اوّلاً ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' قائم ہوئی اور ''قرآن اکیڈمی'' تعمیر ہوئی (اور پھر ذیلی انجمنوں اور اکیڈمیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا)۔
- .....دوسرے دین حق کے غلبہ و اقامت یا بالفاظ دیگر ''اسلامی انقلاب'' کے لیے حرکت و جہاد، جس کے لیے ''تنظیم اسلامی'' قائم ہوئی اور اس کی تنظیمی اساس ''بیعت جہاد و سمع و طاعت فی المعروف'' پر استوار ہوئی۔
- جہاں تک راقم کی دعوتِ قرآنی کا تعلق ہے، اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔
- اس لیے کہ، اگرچہ اس کے ضمن میں تصنیف و تالیف کی مقدار کم رہی، لیکن درس و خطاب اور آڈیو/ ویڈیو کیسٹوں (اور سی ڈیز/ ڈی وی ڈیز کے علاوہ ٹی وی چینلز) کے ذریعے اس کا چرچا دنیا کے کونے کونے میں ہے۔
- مزید برآں، لگ بھگ چالیس سالہ مساعی کے نتیجے میں قرآن کے نوجوان داعیوں اور مبلغوں کی ایک ٹیم بھی تیار ہو چکی ہے۔
- اور الحمدللہ کہ ان دروس و خطابات کے ذریعے قرآن کے جس فہم و فکر کی اشاعت ہو رہی ہے، وہ کسی ایک لکیر کے فقیر یا کنویں کے مینڈک کے مانند نہیں ہے۔
- بلکہ اس میں کم از کم چار منبعوں سے پھوٹنے والے سوتوں کا ''قِرانُ السُّعداء'' موجود ہے۔ یعنی:
- .....ایک: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ''رُسوخ فی العلم''۔ جس کی وساطت سے اس تحریک کا تعلق اسلاف کے ساتھ قائم ہے۔

- ..... دوسرے: ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی جدید فلسفہ و سائنس اور جدید سیاسیات واقتصادیات کے ضمن میں تنقیدی بصیرت!
- .....تیسرے: مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا جذبۂ حرکت وعمل اور تصورِ جہاد فی سبیل اللہ! اور
- .....چوتھے: مولانا حمید الدین فراہیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کا تعمّق و تدبّرِ قرآن کا اسلوب ومنہاج!

(الحمدللہ کہ راقم اس ''دعوتِ رجوع الی القرآن'' اور اس کے ''منظر وپس منظر'' کے بارے میں تفصیلاً لکھ چکا ہے' جواب کتابی شکل میں مطبوعہ موجود ہے!)

- اور الحمدللہ کہ ع ''شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!'' کے مصداق
- راقم کو پورا اطمینان حاصل ہے کہ اس نے اپنی حیاتِ دُنیوی کے چالیس سال ''دعوت الی القرآن'' اور ''تحریک تعلیم وتعلّم قرآن'' کی جس جدوجہد میں صرف کیے اس سے اعلیٰ اور ارفع کام اور کوئی نہیں!
- اور راقم کو خوف ہے تو صرف اس کا کہ کہیں اس میں نفس اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں کے باعث ریا اور سمعہ کا دخل نہ ہو گیا ہو۔
- ورنہ رجا اور استبشار کے لیے تو نبی اکرم ﷺ کے یہ دو ارشادات کفایت کرتے ہیں کہ
- .....''خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ''.....اور
- .....''وَمَنْ دَعَا اِلَیْهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ''

.....

- البتہ جہاں تک تحریک وتنظیم کا تعلق ہے' راقم کو برملا اعتراف ہے کہ اس کی تینتیس سالہ مساعی کا حاصل کم از کم بظاہر احوال بہت کم ہے!
- اور الحمدللہ کہ اس کے سبب کے بارے میں بھی راقم کو نہ کوئی مغالطہ لاحق ہے' نہ ہی وہ اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مرض میں مبتلا ہے۔
- چنانچہ اسے خوب معلوم ہے کہ اس کا اصل سبب یہی ہے کہ اقامتِ دین کے بلند و بالانصب العین اور ''اظھارُ دینِ الحقّ علی الدّین کلّہ'' یا بالفاظ دیگر ''اسلامی انقلاب'' کی جاں گسل جدوجہد' بالخصوص اس کی قیادت ورہنمائی کے لیے جو کم از کم استعدادات اور صلاحیتیں درکار ہیں وہ ان سے بھی تہی دست ہے!

❁ گویا معاملہ وہی ہے جو مولانا حسرتؔ موہانی کے اس شعر میں بیان ہوا کہ:ؔ

غم زندگی کا حسرت سبب اور کیا بتائیں
مری ہمتوں کی پستی، مرے شوق کی بلندی!

❁ صرف اس فرق کے ساتھ کہ جہاں تک راقم کا تعلق ہے معاملہ ''شوق'' کا نہیں، خالص ''احساسِ فرض'' کا ہے!

❁ چنانچہ.....یہی احساسِ فرض تھا جس کے تحت راقم نے عمر عزیز کے پورے دس سال ''تحریک جماعت اسلامی'' کی نذر کیے اور اس عرصے کے دوران ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے، لیکن نہایت فعال انداز میں کام کیا۔

❁ پھر جب اس سے مایوس ہو کر علیحدگی اختیار کی تو آٹھ برس اس انتظار میں بسر کیے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے بزرگ علماء میں سے کوئی صاحب عزیمت و ہمت نیا قافلہ تشکیل دے تو راقم اس میں ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے شامل ہو کر اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو سکے!

❁ اور جب اس جانب سے بھی مایوسی کا سامنا ہوا تو مجبوراً خود اس کانٹوں بھری وادی میں قدم رکھنے کے فیصلے کے ساتھ دوبارہ وارِدِلا ہور ہوا!

❁ اور پورے دس برس صرف ''قرآن کی انقلابی دعوت'' کی نشر و اشاعت کا کام کیا، (سات سال خالص انفرادی حیثیت میں اور تین سال ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کے زیر عنوان)

❁ اور بالآخر جب ۱۹۷۴ء میں ''عزمِ تنظیم'' کا اعلان کیا اور مارچ ۱۹۷۵ء میں ع ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!'' کے مصداق ''تنظیم اسلامی'' کے نام سے ایک نیا قافلہ ترتیب دیا.....تب بھی ہیئت تنظیمی کے ضمن میں آخری فیصلہ نہیں کیا، بلکہ اسے اس خیال سے مؤخر رکھا کہ کوئی بزرگ شخصیت بھی شامل ہو تو اس کی صوابدید کے مطابق اقدام کیا جائے!

❁ اور دو ڈھائی سال کے لاحاصل انتظار کے بعد تنظیمی ڈھانچے کی اساس کے طور پر ''بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف'' کے اس اصول کو اختیار کرنے کا اعلان کر دیا جو راقم کے نزدیک اسلامی اجتماعیت کی واحد منصوص و مسنون بنیاد ہے!

❁ اس طرح، الحمدللہ کہ ''استدار الزّمان کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوات والارض'' کے مانند غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے تنظیمی ڈھانچے کی ہیئت، جو ٹھیٹھ اسلامی مدار سے ہٹ گئی تھی، دوبارہ اپنے صحیح نہج پر استوار ہو گئی۔

❁ ان سطور کے عاجز و ناچیز راقم کو اپنی جملہ کوتاہیوں اور کمزوریوں اور تمام تر بے بضاعتی اور تہی دامنی کے ساتھ ساتھ‘ الحمدللہ کہ یہ اطمینان حاصل ہے کہ:

❁ اولاً: اسے اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا شعور و ادراک حاصل ہے۔

❁ ثانیاً: وہ سلفِ صالحین اور علماءِ ربانیین کے حلقے سے ذہناً و قلباً منسلک ہے‘

اُحبّ الصَّالحینَ ولستُ منهم
لعلّ اللّٰهَ یرزقنی صلاحًا

❁ ثالثاً: اس کے فکر و نظر میں نہ تنگی ہے‘ نہ افراط و تفریط..... چنانچہ اس کے باوجود کہ اس کے دینی فکر کا تانا بانا اصلاً علامہ اقبال اور تبعاً مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے فکر پر مبنی ہے‘ اس کی قلبی محبت و عقیدت کا رشتہ اصلاً حضرت شیخ الہندؒ اور تبعًا مولانا مدنیؒ اور علامہ عثمانیؒ کے ساتھ ہے..... اور ان دونوں مؤخرالذکر بزرگوں کے ضمن میں بھی راقم اپنے باطن میں ایک عجیب توازن کی لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے‘ کہ اگر اصابت فکر و نظر کے ضمن میں راقم زیادہ قائل ہے علامہ عثمانیؒ کا..... تو تقویٰ و تواضع اور عزیمت و استقامت کے ضمن میں زیادہ معترف ہے مولانا مدنیؒ کا!

❁ مزید برآں‘..... اس کے نزدیک مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ کسی متحدہ قومیت میں شامل ہونا اصلاً تو غلط ہے‘ تاہم کسی وقتی اور فوری دفاعی تدبیر کے طور پر اس کا استعمال ہرگز حرام نہیں ہے۔ رہی مسلمانوں کی دُنیوی فلاح و بہبود کے لیے کی جانے والی ''قومی'' مساعی تو وہ تو راقم کے نزدیک احیائے ملت کے وسیع پروگرام کا ایک جزوِ لاینفک ہیں..... اگرچہ خالص غلبۂ اسلام اور اقامت دین کے لیے اٹھنے والی ٹھیٹھ تجدیدی مساعی کو ان دونوں سے بالاتر ہو کر خالص اصولی‘ انقلابی خطوط پر استوار ہونا چاہیے!

❁ رابعاً: اسے نہ کوئی غرور لاحق ہے نہ زعم..... بلکہ وہ شدید احتیاج محسوس کرتا ہے علماء ربانیین بالخصوص منتسبین حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی اور تعاون کی!

❁ چنانچہ اسی کے حصول کی کوشش کی مظہر ہے اس کتاب کی تالیف و اشاعت!!

❁ ''گر قبول افتد زہے عز و شرف!''

(واضح رہے کہ یہ تحریر سرزمین حرم پر یہیں تک سپردِ قلم ہو سکی تھی اور اس کے آخری الفاظ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۷ء کو مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفہا‘ میں ضبطِ تحریر میں آئے تھے۔ اس کا باقی حصہ واپسی پر لکھا گیا ہے۔)

(۳)

❁ اس وقت پوری دنیا میں اسلام اور مسلمان جس حال میں ہیں وہ اظہر من الشّمس ہے۔

❁ یعنی یہ کہ.....اگرچہ بظاہر مسلمان ممالک کی عظیم اکثریت مغربی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کر چکی ہے (چنانچہ اِس وقت یو این او کے کل ۱۹۲ ممبر ممالک میں سے ۴۸ کی تعداد مسلمان ممالک پر مشتمل ہے!)

❁ لیکن ایک جانب..... یہ تمام مسلمان ملک جدید ٹیکنالوجی اور خاص طور پر اسلحہ کے لیے بالکلیہ دوسروں کے دستِ نگر اور کسی نہ کسی سپر پاور کے فتراک کے نخچیر ہونے کے علاوہ اکثر و بیشتر باہم دست و گریباں ہیں۔

❁ تو دوسری جانب.....''اسلام'' فرمانِ نبویؐ ((بَدَأَ الاسلامُ غریبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ)) کی کامل تصویر ہے۔

❁ اور اس کے بارے میں لگ بھگ ایک صدی قبل کے یہ اشعار آج بھی صد فی صد درست ہیں کہ ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے!
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے!

❁ اور ؎

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

❁ اس لیے کہ ان نام نہاد مسلمان ممالک میں قیادت و سیادت کی باگ ڈور اور حکومت و سیاست کی زمامِ کار گورے یوروپین لوگوں کے جانے کے بعد ان لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی ہے جو صرف چمڑی کی رنگت کے سوا ذہن و فکر اور تہذیب و تمدن ہر اعتبار سے

خالص ''یوروپین'' ہیں!

- اہل تشیع تو پھر بھی فخر کے ساتھ سر اونچا کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے واحد اکثریتی ملک میں اپنے نظریات کے مطابق ''اسلامی انقلاب'' برپا کر دیا اور اس سے قطع نظر کہ یہ انقلاب عارضی ثابت ہوتا ہے یا پائیدار' کم از کم فی الوقت ایک وسیع وعریض ملک پر اپنے عقائد اور اپنی فقہ کی غیر مشروط بالادستی بالفعل قائم کر دی۔
- پوری سنّی دنیا کے لیے تو ؎

''یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے!

- کے مصداق واقعتاً ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ان کے درجنوں اکثریتی ممالک میں سے' سوائے ایک سعودی عرب کے' کسی ایک جگہ بھی شریعت اسلامی کی بالادستی قائم نہیں!
- اور خود سعودی عرب میں بھی اگرچہ داخلی طور پر نظامِ عبادات کے سرکاری سطح پر قیام و اہتمام' اور شریعت اسلامی کی جزوی تنفیذ وترویج کی برکات نظر آتی ہیں.....
- تاہم ایک مستبد بادشاہت اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے اسے پوری بیرونی دنیا کے لیے نفرت وحقارت کا ہدف اور تمسخر واستہزاء کا موضوع بنا کر رکھ دیا ہے۔
- گویا آج پوری سُنّی دنیا کم از کم قومی واجتماعی اور ملی وملکی سطح پر شہادتِ حق کی بجائے شہادتِ زُور پر عمل پیرا ہے.....اور نوعِ انسانی کو اسلام کی دعوت دینے اور اس پر حجت قائم کرنے کی بجائے عملی اعتبار سے خود اسلام سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کر رہی ہے!
- ادھر برعظیم ہند کی تقسیم سے ۱۹۴۷ء میں وقت کی جو عظیم ترین مسلمان مملکت وجود میں آئی تھی وہ سینتیس سال قبل ایک عظیم حادثے سے دوچار ہوگئی' جس نے نہ صرف یہ کہ اسے دولخت کر دیا بلکہ ایک نہایت شرمناک شکست اور ذلت آمیز ہزیمت کا کلنک کا ٹیکہ پوری اُمتِ مسلمہ کی پیشانی پر لگا دیا۔
- نتیجتاً آج وہ اندیشہ واقعہ کی صورت اختیار کر کے سامنے آ گیا ہے' جس کا اظہار اب سے لگ بھگ تین چوتھائی صدی قبل کچھ مخلصانِ ملت نے کیا تھا..... یعنی یہ کہ مسلمانانِ برعظیم تین حصوں میں تقسیم ہو کر ضعیف وغیر مؤثر ہو گئے ہیں!
- اور نوبت بایں جا رسید' کہ آئے دن بھارت کا کوئی نہ کوئی علاقہ ع

''ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو!''

کا نقشہ پیش کرتا رہتا ہے' لیکن بنگلہ دیش کے پندرہ کروڑ اور بچے کھچے پاکستان کے سترہ کروڑ مسلمان چند ایک اخباری مضامین و بیانات..... اور ایک آدھ چھوٹے موٹے مظاہرے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے!

- رہا یہ بچا کھچا پاکستان!.....تو دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ یہ رفتہ رفتہ خوفناک ترین تباہی کی جانب بڑھ رہا ہے.....اور ﴿كُنتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ کا کامل مصداق بن چکا ہے۔
- اور اگر جلد ہی مشیت و قدرتِ خداوندی کا کوئی خصوصی اور معجزانہ ظہور نہ ہوا.....اور
- یہاں اسلامی انقلاب نہ آیا
- تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے چار ٹکڑے ہوں گے یا پانچ!
- بہرصورت
- بھارت میں مسلم دشمنی ہی نہیں باضابطہ مسلم کشی کی تیز و تند لہر..... اور پاکستان میں نسلی' لسانی اور علاقائی عصبیتوں کے بڑھتے ہوئے طوفان کے پیش نظر یہ اندیشہ اور خطرہ موہوم نہیں' واقعی اور حقیقی ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں ع

''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!''

کا وہ اٹل قانونِ قدرت نافذ نہ ہو جائے جو آج سے ٹھیک پانچ سو برس قبل سپین میں ہوا تھا!

ع ''حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!''

.....(اس موضوع پر الحمدللہ کہ راقم کی دو کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں یعنی ''استحکامِ پاکستان'' اور ''استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ'' لہٰذا اس مقام پر کسی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے!)

(۴)

- ان حالات میں ضرورت تو اس امر کی ہے کہ طبقۂ علماء میں سے کوئی عظیم شخصیت ایسی ابھر کر سامنے آئے جو مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ' امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور مجاہد کبیر سید احمد بریلویؒ کی سی عظمت و جلالت نہ سہی کم از کم شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کی سی جامعیت و وسعت کی تو حامل ہو.....جو

❁ اولاً.....ع

''کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو!''

کے مصداق ''جماعت شیخ الہند'' کے باقیات الصالحات کو جمع کرے اور اس کی منتشر لڑیوں کو ازسرِنو ایک مضبوط رسّی کی صورت میں بٹ دے!

❁ ثانیاً.....ان جملہ دینی عناصر کو جمع کرنے کی کوشش کرے جو جمعیت علماء ہند کے ابتدائی دور میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے۔

.....(واضح رہے کہ اُس وقت مسلمانانِ ہند کے اس مشترک دینی و سیاسی اتحاد سے صرف مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے فرزند ہی باہر رہ گئے تھے' باقی جملہ قابل ذکر حنفی اور اہل حدیث علماء اس اتحاد میں شامل تھے)

❁ اس لیے کہ اس کے بغیر پاکستان میں کسی اسلامی انقلاب کے خواب دیکھنا جنت الحمقیٰ میں رہنے کے مترادف ہے!

❁ تاہم جب تک کوئی ایسی صاحب ہمت و عزیمت شخصیت سامنے نہیں آتی'

❁ ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم اپنی بساط بھر کوشش کرتا رہے گا کہ غلبۂ اسلام اور اقامت دین کی اس راست تحریک کے تسلسل کو قائم رکھے' جس کے بیسویں صدی کے داعیٔ اوّل تھے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور داعیٔ ثانی تھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

❁ اور..... بحمداللہ..... وہ اس پر پوری طرح مطمئن ہے کہ خواہ اسے تنظیم کی وسعت کے اعتبار سے تا حال نمایاں اور محسوس کامیابی حاصل نہیں ہوئی' تاہم اسے اللہ نے توفیق عطا فرمائی کہ اس نے:

❁ دروسِ قرآن اور خطاباتِ عام' اور ان کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کے ذریعے وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کے ذریعے' نہ صرف یہ کہ دین اور فرائض دینی کا جامع اور ہمہ گیر تصور بہت بڑے حلقے میں عام کیا' بلکہ مطالعہ قرآن کے ایک منتخب نصاب کے ذریعے اس کا نہایت مضبوط و مستحکم تعلق قرآن حکیم کے ساتھ استوار کر دیا ہے۔

❁ مزید برآں' انقلاب اسلامی کے اساسی لوازم اور تدریجی مراحل کو وضاحت کے ساتھ معین کیا.....اور اس کا گہرا رشتہ سیرت النبی ﷺ کے ساتھ اس طرح قائم کر دیا کہ ''**لا یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها**'' کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ (اس موضوع پر راقم کی تالیف ''منہجِ انقلابِ نبویؐ'' اور اس کا خلاصہ ''رسولِؐ انقلاب کا طریق

انقلاب) مطبوعہ موجود ہیں!)

- اور.....ثم الحمدللہ..... کہ وہ اس پر پوری طرح راضی ہے کہ اگر اسے معاشرے اور قوم کے اکابر و اصاغر سے تائید و تعاون حاصل نہ ہو تو وہ یہی دو کام کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہو جائے!
- تاہم..... پاکستان کے علماءِ حقانی اور صلحاءِ ربانی کی خدمت میں یہ کتاب ﴿مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ!﴾ کی صدا کے ساتھ پیش ہے' مبادا وہ یہ کہیں کہ تم نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں!
- ورنہ ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ کے مطابق نصرت تو بالکلیہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

——— (۵) ———

- اس کتاب میں اس مقدمے کے بعد
- باب اوّل ایک تمہید کی حیثیت رکھتا ہے' جس میں ایک خط قاری حمید انصاری صاحب کا شامل ہے اور ایک تحریر ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کی۔
- باب دوم کی حیثیت اس پوری کتاب کے مبنیٰ و اساس اور بنیاد کی ہے۔
- اس میں اولاً راقم کی وہ تحریر شامل ہے جس میں ۲۱۔۱۹۲۰ء کے امامت الہند کے مسئلے سے متعلق واقعات کی پوری تحقیق بھی آ گئی ہے' اور حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت کے بارے میں راقم کے تأثرات بھی بیان ہو گئے ہیں۔
- پھر دو تائیدی خطوط مراد آباد (بھارت) کے مولانا افتخار احمد فریدی صاحب کے ہیں۔
- پھر راقم کی تحریر پر مولانا اللہ بخش ملکانوی کے اعتراضات اور ان کے ضمن میں راقم کی وضاحت ہے۔
- اور آخر میں محترم حکیم محمود احمد برکاتی کی تحریر ہے جس میں بعض واقعات اور اقوال کی روایت پر تنقیدی گرفت کی گئی ہے' جس کے ضمن میں ضروری وضاحت ان کے مقالے پر ''میثاق'' کے ادارتی نوٹ میں موجود ہے۔
- تیسرا باب ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن' لاہور میں منعقدہ چھ روزہ محاضرات کی روداد پر مشتمل ہے' جس سے دین کا جامع تصور بھی سامنے آ جاتا ہے اور فرائض دینی کا انقلابی تصور بھی۔
- چوتھا باب..... راقم کی دو تقریروں پر مشتمل ہے' جو اواخر مارچ ۱۹۸۴ء میں جناح ہال' لاہور میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے چھٹے سالانہ محاضراتِ قرآنی میں کی گئیں۔ ان میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے دو لازمی اجزاء تفصیلاً زیر بحث آئے ہیں' یعنی ایک جہاد بالقرآن اور دوسرے التزامِ جماعت و لزومِ بیعت!—— واضح رہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی دعوت و تحریک (۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۰ء) کے بھی یہی دو اساسی اجزاء تھے!

- پانچویں باب کا اصل موضوع مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم ومغفور اور ان کی بعض آراء ہیں۔
- چنانچہ اس میں اولاً مولانا اکبرآبادی مرحوم کا ایک مختصر سوانحی خاکہ درج ہے جو موصوف کے خویش پروفیسر اسلم صاحب نے تحریر کیا اور متذکرہ بالا محاضراتِ قرآنی میں پڑھ کر سنایا۔
- پھر مولانا اکبرآبادی کی ایک طویل تقریر ہے جو انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت اور سیرت کے موضوع پر ان ہی محاضرات میں کی۔ یہ تقریر اولاً ماہنامہ ''حکمت قرآن'' میں شائع ہوئی تھی' بعدازاں اسے نہایت آب وتاب کے ساتھ کتابی صورت میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے شائع کیا۔
- پھر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے دو انٹرویو ہیں' جن میں انہوں نے راقم الحروف کے بارے میں اپنی رائے وضاحت کے ساتھ پیش کی ہے.....جس کے لیے راقم ان کا شکرگزار بھی ہے اور ان کے لیے دعا گو بھی.....البتہ اس گفتگو میں بعض دوسری تحریکوں اور شخصیتوں کے ضمن میں جو ریمارکس آ گئے ہیں ان کے ضمن میں مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی) اور مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ) کے جو تردیدی یا وضاحتی خطوط موصول ہوئے' وہ بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

(واضح رہے کہ اس کتاب کے باب چہارم میں شامل راقم کی دونوں تقریروں کے دوران مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم بھی موجود تھے۔ پہلی میں بحیثیت صدر مجلس اور دوسری میں بحیثیت شریک وسامع!)

- باب ششم سے اس کتاب کی دوسری اہم بحث کا آغاز ہوتا ہے۔
- اس میں اولاً ''قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماء کرام کے خدشات'' کے موضوع پر راقم کی ایک مفصل تقریر شامل ہے جو رمضان ۱۴۰۴ھ کے جمعۃ الوداع کو مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں کی گئی تھی۔
- چونکہ ''میثاق'' کا وہ شمارہ (ستمبر ۱۹۸۴ء) بہت سے معروف علماء کرام اور بعض دینی جرائد کو تبصرے اور اظہار رائے کے لیے بھیجا گیا تھا' لہٰذا اس باب میں اس کے بعد چار جید علماء کرام اور دو ہفت روزہ جرائد کے تبصرے شامل ہیں جو ''میثاق'' کی نومبر اور دسمبر ۱۹۸۴ء کی اشاعتوں میں شائع ہوئے۔
- اور آخر میں ان تبصروں کے ضمن میں راقم کی وضاحتیں ہیں جو دسمبر ۱۹۸۴ء اور جنوری ۱۹۸۵ء کے ''میثاق'' میں شائع ہوئی تھیں۔
- باب ہفتم مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی) کی ایک تحریر سے شروع ہوتا ہے جس میں انہوں نے ''جماعت شیخ الہندؒ'' کی اصطلاح استعمال فرمائی اور ایک جانب راقم کو کچھ نصیحتیں کیں اور دوسری جانب علماء دیوبند کو راقم کی تائید اور سرپرستی کا مشورہ دیا۔
- اس کے بعد راقم کی ایک طویل تحریر ہے جو ''میثاق'' فروری ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی تھی اور جس میں راقم نے ''جماعت شیخ الہندؒ'' کے ضمن میں اپنے تاثرات واحساسات کا تفصیلاً ذکر کیا ہے۔
- آخر میں مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ) کی تالیف کا ایک طویل اقتباس ہے جس میں مسلم انڈیا کی بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی چالیس سال کی تاریخ کے بعض اہم واقعات اور اس دور کے بعض

اعاظم رجال کا ذکر ہے۔

- باب ہشتم میں یہی سلسلہ مضمون آگے بڑھتا ہے لیکن اس میں گفتگو اصلاً مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مدیر ''بینات'' کراچی کے اعتراضات کے حوالے سے ہے۔

اس میں ''میثاق'' مارچ ۱۹۸۵ء کا ''تذکرہ وتبصرہ'' من وعن.....اور ستمبر ۱۹۸۵ء کے ''تذکرہ وتبصرہ'' کے چیدہ چیدہ حصے شامل ہیں۔اس باب کے آخر میں ہفت روزہ ''حرمت'' اسلام آباد میں شائع شدہ ایک مضمون بھی شامل ہے۔

- باب نہم اصلاً راقم کے ۲۴ اگست ۱۹۸۴ء کے خطاب جمعہ پر مشتمل ہے جو ''میثاق'' نومبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔
- اس کے علاوہ اس میں ''قتل خطا میں عورت کی نصف دیت کا مسئلہ'' کے موضوع پر راقم کی ایک تحریر شامل ہے، جو اوّلاً روزنامہ ''نوائے وقت'' اور پھر ''میثاق'' دسمبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کتاب میں ان دونوں کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ فقہی مسائل کے ضمن میں راقم کا نقطۂ نظر وضاحت سے سامنے آجائے۔

- باب دہم ..... کچھ ''متفرقات'' پر مشتمل ہے جن کی حیثیت اس کتاب میں ''ضمیموں'' کی سی ہے.....ان میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:
- (ا) آیۂ اظہار دین کے ضمن میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت (ماخوذ از ''ازالۃ الخفا'' ترجمہ از مولانا عبدالشکور لکھنوی)
- (ب) ''**لا یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها**'' کے ضمن میں دو نہایت اہم تحقیقی خطوط
- (ج) ''علماء کب اٹھیں گے؟'' کے عنوان سے مولانا محمد زکریا، سربراہ پاکستان سنی اتحاد کی ایک جھنجھوڑ دینے والی تحریر
- (د) حاجی عبدالواحد مرحوم ومغفور کا سوانحی خاکہ، جو اپنی ذات میں اس دور کی جملہ دینی تحریکوں کی چلتی پھرتی تاریخ تھے اور میرے ہاتھ پر زبردستی بیعت کرنے والے پہلے شخص!
- (ہ) مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کی ایک تقریر جس میں موصوف نے راقم الحروف کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

راقم ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جن کی تحریریں مضمون کی مناسبت سے کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔

خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ

لاہور.....۱۶ جون ۱۹۸۷ء

نظر ثانی.....۱۵/ جنوری ۲۰۰۹ء

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی

عتیق الرحمٰن صدیقی

اللہ تعالیٰ کی ذات بزرگ و برتر ہے، عز و شرف اور اکرام و منزلت میں اس کا کوئی ثانی اور مثیل نہیں، تمام عزتوں کا مرکز و محور وہی ایک ہے۔ قرآن حکیم میں بہتّر (۷۲) مقامات پر اللہ تعالیٰ کو عزیز کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ عزیز کے معنی عزت والے اور غالب کے ہوتے ہیں۔ قرآن نے اللہ کے لیے عزیز کے ساتھ قوی اور مقتدر کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ سیرت النبیؐ کے مؤلف مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''عزت کا لفظ قرآن میں شدت، غلبہ، عز و شرف اور نخوت (حمیت) کئی معنوں میں آیا ہے۔ اس لیے ہر جگہ اس کے وہ معنی لیے جائیں گے جو سیاق و سباق کے مناسب ہوں۔ اس کا اصل مفہوم جو اِس کے سب معنوں میں مشترک ہے، یہ ہے: کسی کا ایسی حالت اور منزلت میں ہونا کہ اس کو کوئی دبا نہ سکے''۔ (سیرت النبی، جلد ششم)

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''**العزّۃ** اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے۔ یہ ارضٌ **عزازٌ** سے ماخوذ ہے جس کے معنی سخت زمین کے ہیں۔ **تعزّزَ اللحم** ''گوشت سخت ہو گیا اور گٹھ گیا''۔ گویا وہ سخت زمین میں پڑا ہے جس تک رسائی مشکل ہے..... قرآن میں ہے: ﴿اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا﴿۱۳۹﴾﴾ (النساء) ''کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ پس عزت تو سب اللہ ہی کی ہے''۔ ﴿وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (المنٰفقون:۸) ''حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مؤمنوں کی۔'' ﴿سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ﴿۱۸۰﴾﴾ (الصّٰفّٰت) ''تمہارا پروردگار، جو صاحب عزت ہے، پاک ہے اُن تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔'' ﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا﴾ (فاطر:۱۰) یعنی ''جو شخص معزز بننا چاہتا ہے تو (اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے عزت حاصل

کرے' کیونکہ) ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے''.....العزیز وہ ہے جو غالب ہو اور مغلوب نہ ہو۔ قرآن میں ہے : ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (العنکبوت) ''بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔'' (مفردات القرآن' جلد دوم)

''عزت'' ایک اہم اخلاقی وصف ہے۔اس کی بدولت ایک انسان اپنے مقام' منصب' مرتبہ اور اپنی حیثیت کا تحفظ کرتا ہے۔مختلف موقعوں پر اسے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ اپنے تشخص کا ادراک رکھتے ہوئے اپنی عزت اور وقار کی حفاظت کرے۔اپنی عزت کا پاس کرنے سے وہ نہ صرف بلندیٔ نگاہ اور رفعت خیال سے متصف ہوگا بلکہ اخلاق کی فضیلتوں سے بھی ہمکنار ہوگا اور ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ'' کا مصداق بن کر اسے اعزاز وافتخار کی گراں بہا دولت میسر آئے گی۔دوسرے لفظوں میں اس سے مراد عرفانِ نفس اور خودی ہے۔علامہ اقبال کے نزدیک جب تک عرفانِ ذات حاصل نہ ہو اُس وقت تک زندگی میں نہ سوز و مستی ہے اور نہ جذب وشوق۔وہ فرماتے ہیں: ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن' اپنا تو بن
من کی دنیا؟ من کی دنیا' سوز و مستی جذب وشوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا' سود و سودا مکر وفن

''ذات کا عرفان'' سے مراد خود شناسی اور خود آگاہی ہے جو انسان کو حق گوئی اور بے باکی کا وصف عطا کرتی ہے' جرأتِ اظہار کا سلیقہ وقرینہ سکھاتی ہے' فکر ونظر کی کج روی سے محفوظ رکھتی ہے اور اسے ضلالت وگمراہی میں سرگرداں نہیں ہونے دیتی ؎

تری زندگی اسی سے' تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی' نہ رہی تو روسیاہی

یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے کہ انسان اپنی حیثیت کا درست ادراک کرلے۔اصلی اور سچی عزت تو اسی کی ہے۔اس کے وسیلہ سے جو عزت میسر آئے گی درحقیقت عزت وہی ہوگی: ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران:۲۶) ''اور (اے پروردگار!) تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔'' سورۃ المنافقون میں اللہ فرماتا ہے:

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾

''یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسولؐ کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کرو یہاں تک کہ یہ منتشر ہو جائیں' حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہے مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ لازماً ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا' حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مؤمنین کے لیے ہے مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔''

ان آیات کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر بنی المصطلق کو شکست دینے کے بعد لشکر اسلام اس بستی میں ٹھہرا ہوا تھا جو مریسیع نامی کنوئیں پر آباد تھی۔ یکا یک پانی پر دو صاحبوں کا جھگڑا ہو گیا' قریب تھا کہ انصار و مہاجرین آپس میں لڑ پڑتے۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ شور سنا تو آگے بڑھ کر معاملے کو رفع دفع کرا دیا۔ اس موقع پر منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے حضور ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے بارے میں نازیبا کلمات کہے اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم' مدینے واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ ان گھٹیا ریمارکس پر اللہ نے کہا کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مؤمنین کے لیے ہے۔ صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں:

''یعنی عزت اللہ کے لیے بالذات مخصوص ہے' اور رسول کے لیے بربنائے رسالت' اور مؤمنین کے لیے بربنائے ایمان۔ رہے کفار و فساق و منافقین' تو حقیقی عزت میں سرے سے ان کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے''۔ (تفہیم القرآن' ج ۵' ص ۵۲۱)

اس آیۂ کریمہ نے اہل ایمان کو ایسی عزت سے سرفراز کیا ہے کہ ان کی جبین نیاز فقط اللہ تعالیٰ کے آستانے پر ہی جھک سکتی ہے' وہ کبھی باطل کے سامنے سرنگوں نہیں ہو سکتے' ان کی خودداری اور عزتِ نفس انہیں ہمیشہ اپنے عقیدہ پر نازاں رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے اثر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ خودداری کے احساس سے معمور رہتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ سے جو شرائط طے ہوئی تھیں' ان میں سے بعض پر صحابہؓ ملولِ خاطر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے کی جو جسارت کی تھی تو ان میں خودداری کا یہی جذبہ کارفرما تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم حق پر اور یہ کافر باطل پر

نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا: ''بے شک ایسا ہی ہے''۔ عرض کیا: ''تو پھر ہم یہ مذہبی ذلت کیوں برداشت کریں؟'' فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا''۔ غزوۂ خندق میں حضور نبی کریم ﷺ نے انصار کے سر سے جنگ ٹالنے کے لیے قبیلۂ غطفان کو اس شرط پر واپس کرنا چاہا کہ ان کو مدینہ کی پیداوار (کھجور) کا تہائی حصہ ہر سال دیا جایا کرے گا' لیکن جب انصار کے سرداروں کو بلا کر آپؐ نے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: ''یارسول اللہ! جب ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے بے خبر تھے تب تو ان کو ہم سے لینے کی ہمت نہ ہوئی اور اب جبکہ خدا نے ہم کو اسلام کی عزت بخشی ہے اور اس کے اور اس کے رسول ﷺ کی بدولت ہم عزت پا چکے ہیں' ہم ان کو یوں اپنا مال دینا منظور کریں گے؟ خدا کی قسم! ہمیں اس معاہدہ کی ضرورت نہیں' ہم بجز تلوار کے اور کچھ ان کو نہ دیں گے' خدا جب چاہے گا ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا''۔ (سیرت ابن ہشام' حصہ سوم' ص ۶۷)

خلافت کے دَور میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیصر و کسریٰ کے مقابلہ میں صف آراء تھے تو ان کی خودداری کا عالم یہ تھا کہ وہ قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بے دھڑک چلے جاتے تھے اور بڑی جرأت و دلیری سے سوال و جواب کرتے تھے۔ آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی مسلمان اپنی مذہبی عزت اور خود داری کا احساس رکھتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی سربراہی) کے لیے ظہور میں لائی گئی ہے۔''

ایک شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپؓ میں غرور ہے؟ آپؓ نے جواب میں کہا: ''یہ غرور نہیں بلکہ خودداری (عزت) ہے' یہ (اسلام) وہ عزت ہے جس کے ساتھ ذلت نہیں اور یہ وہ دولت ہے جس کے ساتھ مفلسی نہیں''۔ پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (المنٰفقون: ۸) ''حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مؤمنین کے لیے ہے''۔ ایک مؤمنہ عورت کے کپڑے پرانے تھے تو کہنے لگیں: ''کیا میں مسلمان نہیں؟ یہ (اسلام) وہ عزت ہے جس کے ہوتے ذلت نہیں اور یہ وہ دولت ہے جس کے ساتھ افلاس نہیں''۔ (سیرت النبیؐ جلد ششم)

اسلام میں صفائی و ستھرائی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس سے مقصود ایک تو طہارت اور پاکیزگی ہے اور دوسرا یہ کہ مسلمان دوسروں کی نظر سے گرنے نہ پائے' کیونکہ غلیظ اور گندے آدمی سے ہر ایک کو نفرت ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥﴾

(المدثر) ''اور (اے نبیؐ!) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔'' ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال اُلجھے ہوئے تھے' تو فرمایا: ''کیا اس کے پاس بال کے ہموار کرنے کا سامان نہ تھا؟'' آپؐ نے ایک شخص کے کپڑے میلے دیکھے تو فرمایا: ''کیا کپڑے دھونے کے لیے اس کو پانی میسر نہ تھا؟'' ایک شخص آپؐ کی خدمت میں نہایت کم حیثیت کپڑے پہن کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے پاس کچھ مال ہے؟'' اُس نے کہا: اونٹ' بکری' گھوڑے' غلام سب کچھ ہے۔ ارشاد ہوا: ''جب خدا نے تم کو مال دیا ہے تو خدا کے فضل و احسان کا اثر تمہارے جسم سے بھی ظاہر ہونا چاہیے''۔ (ابوداؤد)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ جب تکبیر سنتے ہیں یا امام کو رکوع میں جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو دوڑ لگا دیتے ہیں کہ رکعت نہ چلی جائے' مگر یہ چیز سنجیدگی کے منافی ہے۔ سنجیدگی' متانت اور وقار خودداری کا سب سے بڑا مظہر ہیں۔ اسلام نے نماز میں وقار کے ساتھ چلنے کی ہدایت کی ہے۔ فرمایا: ((اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوْا اِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تَسْرِعُوْا))(۱) ''جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے سکون اور وقار کے ساتھ چلو اور جلدی نہ کرو''۔

میانہ روی سے چلنا' نگاہ کا جھکائے رکھنا' آواز کا نہ زیادہ بلند اور نہ زیادہ پست کرنا اور اِدھر اُدھر نہ دیکھنا اس وقار میں داخل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نیک طور طریق' نیک انداز اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے''۔ (ابوداؤد بحوالہ سیرت النبیؐ) باوقار رہنے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی رفتار' گفتار' شکل وصورت' وضع ولباس اور اپنی عام روش میں متانت کا مظاہرہ کرے۔ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کی حالت میں بھی اپنی خودداری برقرار رکھے' ایسا کوئی طرزِ عمل نہ اپنائے جو اُس کی عزتِ نفس کو مجروح کر دینے والا ہو۔ شریعت میں اس کا نام تعفف اور استعفاف ہے اور یہ ایک قابل ستائش وصف ہے۔ قرآن نے کہا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۷۳)

''ان فقیروں کے لیے جو روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں' نہیں فرصت ملتی انہیں (روزی کمانے کے لیے) چلنے پھرنے کی زمین میں' خیال کرتا ہے انہیں ناواقف (کہ یہ)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب لا یسعی الی الصلاۃ ولیات بالسکینۃ والوقار۔

مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے۔ تم پہچان لو گے انہیں ان کے چہروں سے' یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر''۔

اسلام نے بھیک مانگنے کی مذمت کی کہ یہ خودداری کے خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

((لَاَنْ یَاْخُذُ اَحَدُکُمْ حَبْلَهٗ فَیَاْتِیَ بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلٰی ظَهْرِهٖ فَیَبِیْعَهَا فَیَکُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَیْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ یَسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ))(۲)

''اگر تم میں سے کوئی شخص ہر صبح لکڑیاں چن کر پیٹھ پر اٹھالائے اور انہیں بیچے جس سے اللہ اس کی ضرورت پوری کر دے تو یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے' کسی کا دل چاہے تو اسے کچھ دے دے اور چاہے تو انکار کر دے''۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ:

''ان کی خودداری کی وجہ سے جو لوگ ان کے حال سے ناواقف ہیں ان کو دولت مند سمجھتے ہیں''۔ اصحابِ صفہ علم سیکھتے تھے' لوگوں کے مطالبہ پر مبلغین اور معلمین بنا کر باہر بھیجے جاتے تھے' ظاہر ہے کہ ایسے عالم میں اپنی گزران کے لیے وہ روزی کمانے کی فرصت نہ پاتے تھے مگر تکلیف میں مبتلا رہنے کے باوجود سوال کرنے سے باز رہتے تھے' ان کی خاموشی اور ان کے اندر کا کرب ان کے چہروں سے عیاں ہوتا تھا''۔

صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں:

''بلکہ لوگوں کے سامنے نہایت اچھی حالت میں نمایاں ہوتے ہیں اور اپنے فقر و فاقہ سے خدا کے سوا کسی کو واقف نہیں ہونے دیتے''۔ (تفسیر کبیر' جلد ثانی' بحوالہ سیرت النبیؐ)

گداگری سوال کی نہایت کریہہ اور مبتذل صورت ہے۔ اسلام نے نہایت سختی سے اس سے منع کیا ہے' اس لیے کہ یہ انسان کے عز و وقار کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَسْاَلُ النَّاسَ حَتّٰی یَاْتِیَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَیْسَ فِیْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ)) (۳)

---

(۲) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب الاستعفاف عن المسألة۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب من سأل الناس تکثرا۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب کراھة المسألة للناس۔

''جو شخص لوگوں سے ہمیشہ بھیک مانگتا رہتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا''۔

چند انصار بہت ہی غریب تھے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے دے دیا' پھر سوال کیا تو آپؐ نے عنایت فرما دیا' لیکن جب سب مال ختم ہو چکا تو (مزید مانگنے پر) فرمایا کہ:

((مَا يَكُوْنُ عِنْدِىْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ' وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ' وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ' وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ' وَمَا اُعْطِىَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ)) (٤)

''میرے پاس جو کچھ ہوگا میں تم سے بچا کر اس کو جمع نہیں کروں گا۔ جو شخص اللہ سے خودداری کی خواہش کرتا ہے اللہ اس کو خوددار بناتا ہے' اور جو شخص اللہ سے بے نیازی کی آرزو کرتا ہے اللہ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے' اور جو شخص صبر کرنا چاہتا ہے اللہ اس کو صبر دیتا ہے۔ اللہ نے صبر سے بہتر اور بڑا عطیہ کسی کو نہیں دیا''۔

حکیم بن حزام ؓ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ طلب کیا تو آپؐ نے عنایت فرما دیا' کچھ دن کے بعد پھر مانگا تو آپؐ نے پھر بھی ان کو دے دیا۔ تیسری بار سوال کرنے پر بھی مرحمت فرما دیا اور پھر فرمایا:

((يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ' فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ' وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ' كَالَّذِىْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ' اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى)) (٥)

''اے حکیم! یہ دولت سبز و شیریں ہے۔ جو استغناء کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس میں برکت سے محروم رہتا ہے' اور اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کھاتا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ دست بالا (دینے والا ہاتھ) دستِ زیریں (لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے''۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب الاستعفاف عن المسألۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب فضل التعفف والصبر۔

(٥) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب الاستعفاف عن المسألۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی.....

حضرت حکیمؓ پر آنحضرت ﷺ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے کبھی کسی سے معمولی چیز بھی نہیں مانگی۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو گیا ہو تو احتیاط کے طور پر کسی بامروت اور نیک آدمی کا انتخاب ضروری ہے، تاکہ کسی بے مروت کے نازیبا الفاظ کے ساتھ انکار سے دل کا آبگینہ ٹوٹنے نہ پائے اور خودداری کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ایک دفعہ ایک محتاج آدمی نے آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا: ((لَا، وَاِنْ كُنْتَ سَائِلًا لَا بُدَّ فَاسْأَلِ الصَّالِحِيْنَ))(٦) ''سوال نہ کرو، ہاں اگر تم کو سوال کرنا ہی ہے تو صالحین سے سوال کرو''۔

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں یہ نکتہ پنہاں ہے کہ صالح اور نیک لوگ سائل کا سوال باعزت طریقہ سے پورا کریں گے اور اگر ردّ بھی کریں گے تو نرمی اور ملائمت کے ساتھ، وہ ﴿وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠﴾ (الضحیٰ) یعنی ''سائل کو جھڑکو مت'' کے قرآنی فرمان کو پیش نظر رکھ کر سائل کو جواب دیں گے۔

خودداری کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے، کم ظرفوں کی طرح اوچھا پن اختیار کر لے اور نمود و نمائش میں اپنی بڑائی جانے۔ خودداری اور غرور میں کوئی مماثلت نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ)) قَالَ رَجُلٌ : اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً؟ قَالَ : ((اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ))(٧)

''جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا''۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضور! ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اور جوتا اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی غرور تو نہیں)؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرور تو ہے حق کا انکار اور لوگوں کی تحقیر''۔

مختصراً اسلامی خودداری تزک و احتشام، تکلف و تصنع اور جاہ و حشم کی نمود کا نام نہیں، بلکہ اپنی عزتِ نفس پر نگاہ رکھتے ہوئے عجز و انکساری اور دل کی خاکساری کا نام ہے۔ بندۂ مؤمن حلقۂ

(٦) سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی الاستعفاف۔

(٧) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ۔

یاراں ہو تو بریشم کی طرح نرم ہوتا ہے اور رزمِ حق و باطل ہو تو وہ فولاد کی مانند سخت ہوتا ہے' وہ کسی کے ظاہری شان و شکوہ سے مرعوب نہیں ہوتا' اس کا نیازِ شوق حسن جاوداں کے لیے وقف ہوتا ہے: ؎

دبا نہ سختیٔ باطل سے بندۂ مؤمن
یہ حادثہ ہے بہت سخت آسماں کے لیے

اسلام اور ایمان دراصل بہت ہی عظیم نعمتیں ہیں۔ اگر یہ کسی کو حقیقی معنوں میں میسر آ جائیں تو پھر اس کے مقابلے میں دنیا کی تمام نعمتیں اور دولتیں ہیچ ہیں۔ بندۂ مؤمن نہ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے جھکتا ہے اور نہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے' وہ یقین رکھتا ہے کہ عزت کا سزاوار صرف اللہ ہے اور اس کی عطا سے اس کا رسول ہے اور رسول کے واسطے سے یہ مسلمانوں کو میسر ہوتی ہے۔ یہ اسلامی خودداری ہے۔ اس کو قائم رکھنا اسلام کی عزت قائم کرنے کے مترادف ہے۔ مشہور صحافی اور اسلامی شاعر نصر اللہ خان عزیزؒ اپنے ربّ سے مخاطب ہو کر عرض کرتے ہیں: ؎

نہ عشق و حسن کی خاطر نہ عز و شاں کے لیے
مری جبیں ہے فقط تیرے آستاں کے لیے
نہ اِس جہاں کے لیے ہے نہ اُس جہاں کے لیے
نیازِ شوق ہے اک حسن جاوداں کے لیے

بیت المقدس کی فتح کے موقع پر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رومیوں سے بیت المقدس کی کنجی لینے شام جا رہے تھے۔ جب آپؓ شہر کے قریب پہنچے تو سپہ سالار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کچھ مسلمانوں کو لے کر استقبال کے لیے نکلے۔ امیر المؤمنینؓ کے راستے میں کچھ پانی آ گیا تو آپؓ ناقہ سے اتر آئے' چرمی موزے اُتار کر اپنے کندھے پر ڈال لیے اور ناقہ کی مہار پکڑ کر پانی میں گھسے اور اسی شان سے آپؓ رومیوں کے مقدس شہر میں داخل ہونے کے لیے بڑھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اس پر کچھ مضطرب ہوئے اور امیر المؤمنین کی اس ہیئت پر استفسار کیا کہ آپؓ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اس موقع پر سارا شہر آپؓ کو دیکھنے کے لیے اُمڈ آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کی اس بات پر فرمایا: ''اے ابوعبیدہ! اگر تمہارے سوا کوئی اور یہ بات کہتا تو میں اس کو سزا دے کر اُمت محمد ﷺ کے لیے عبرت بناتا' ہم ذلیل قوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے ہماری عزت بڑھائی' تو جو عزت اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز کے ذریعے سے ہم عزت چاہیں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔'' (مستدرک' جلد اول' سیرت النبی' جلد ششم)

یہ ہے خودداری اور عزتِ نفس کا نقطۂ کمال جس کا نمونہ جلیل القدر صحابیٔ رسول اور خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عملاً ہمارے سامنے پیش کیا۔ اسی رفعت کردار کے تناظر میں حضرت اقبال گویا ہوئے تھے ؎

نگاہے وام کن از چشم فاروقؓ
قدم بیباک نہ در عالم نو

آج اُمت مسلمہ نحیف ونزار بھی ہے اور ضعیف ومسکین بھی۔ جور وظلم کی چکی میں پستی چلی جارہی ہے' یہود و ہنود اور نصاریٰ کی تثلیث نے اس کا گھیرا تنگ کر رکھا ہے۔ یہ بے بسی اور بے کسی کا عالم' اس پر ہر دلِ دردمند ماتم کناں اور ہر آنکھ اشکبار ہے۔ یہ نتیجہ ہے غیرت وحمیت' خودداری اور عزتِ نفس کا سودا کرنے کا۔ ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا سبق بھلا دیا' غلامی کا طوق پہن لیا' اپنی سیاست' معیشت اور معاشرت کو بے جہت بنا دیا۔ خیر اُمت ہونے کے ناطے سے سیادت وقیادت کا اعزاز اہل ایمان کو عطا کیا گیا تھا مگر یہ میراث غیروں نے ہم سے ہتھیا لی۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں جس کا سررشتہ اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم تا ابد گمراہ نہیں ہو گے' وہ چیز ہے کتاب اللہ''۔ نور وحکمت کے اس خزینہ سے بے نیاز ہو کر مسلمان فساد وانتشار اور انحطاط میں مبتلا ہو گئے' بنیانِ مرصوص بن جانے کے بجائے فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے' اپنے اتحاد کو پارہ پارہ کر لیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے من میں ڈوب کر ہم سراغِ زندگی پانے کی کوشش کریں اور اپنی پاسبانی کا عزمِ صمیم کر لیں۔ بقول اقبال: ؎

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اخذ واستفادہ

☆ سیرت النبی' جلد ششم' از سید سلیمان ندویؒ
☆ سیرت النبی' جلد دوم
☆ تفہیم القرآن' جلد پنجم' سید مودودیؒ
☆ ضیاء القرآن' جلد اول' پیر کرم شاہ الازہریؒ
☆ سیرت ابن ہشام' جلد سوم
☆ نقوش اقبال' از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں' از ڈاکٹر اسرار احمد
☆ مفردات القرآن' امام راغب اصفہانیؒ

غصہ کے برے نتائج اور علاج

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انسان کو عقل و شعور کی نعمت دے کر آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس نعمت کی وجہ سے انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے، اپنا نفع اور نقصان سوچ سکتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خوبیوں اور اچھائیوں کو اپنائے اور برائیوں اور گناہ کے کاموں سے احتراز کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کو واضح کر دیا ہے۔ انسانی فطرت کے اندر کچھ طبعی عوارض پیدا کر دیے گئے ہیں اور انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی فطری کمزوریوں کو اپنے کردار و عمل پر غالب نہ آنے دے، بلکہ ان پر کنٹرول کرے۔ یہی انسان کا امتحان ہے اور یہی اس کی آزمائش ہے۔

انسانی کمزوریوں میں ایک کمزوری غصہ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے مزاج کے خلاف کوئی چیز دیکھتا یا سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ اس اشتعال کے نتیجے میں وہ زبان اور ہاتھ کا ناجائز استعمال کر کے ایسے کام کر گزرتا ہے جو اس کے لیے سراسر نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ بعد میں وہ انسان اکثر اپنے کیے پر پشیمان اور شرمندہ بھی ہوتا ہے مگر اب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ غصے کو کنٹرول نہ کرنا نہ صرف اخلاقی برائی ہے بلکہ یہ کئی طرح کے نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں غصے کا اظہار انتہائی قابل مذمت فعل ہے، جبکہ غصے پر کنٹرول کرنا تحسین و آفرین کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان کی گئی ہیں وہاں اُن کی ایک نمایاں صفت یہ بھی ہے کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ درگزر کر جاتے ہیں: ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ (الشوریٰ) ایسے لوگوں کا شمار یقیناً محسنین میں ہوتا ہے اور محسنین اللہ کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (آل عمران) ''اور جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کو پسند کرتا ہے''۔

غصہ انسان کو بہت سی حسرتوں، مایوسیوں اور ناکامیوں سے دوچار کرتا ہے، جبکہ اس پر ضبط کرنا بہت سی خوبیوں اور شادمانیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ غصے کی حالت میں انسان پر شیطان کا حملہ بڑا آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت انسان ایسا فعل کر گزرتا ہے جس پر اسے بعد میں خود اپنے رویے پر افسوس ہوتا ہے، مگر اس وقت تیر کمان سے نکل گیا ہوتا ہے اور سوائے پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

عام طور پر نوکروں اور ماتحتوں پر زیادہ غصہ آتا ہے، کیونکہ ان کی طرف سے کسی ردّعمل کا خطرہ نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر اللہ کا خوف ہی انسان کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے، ورنہ مشتعل ہو کر مالک اور افسر اپنے نوکر یا ماتحت سے بدزبانی بھی کر لیتا ہے اور بعض اوقات ناکردہ گناہ اس کے سر پر ڈال کر اسے سزا بھی دے ڈالتا ہے، مگر یہ بات ظلم کے زمرے میں آتی ہے اور زیادتی کرنے والا خود اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہو جاتا ہے۔

میاں بیوی ہمہ وقت کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ایک جگہ رہتے ہوئے بعض معاملات میں اختلاف ہو جانا خارج از امکان نہیں ہے۔ اگر فریقین ٹھنڈی طبیعت کے مالک ہوں تو معاملہ جلد رفع دفع ہو جاتا ہے، بصورتِ دیگر بات طول پکڑ لیتی ہے، شوہر مشتعل ہو جاتا ہے، بیوی کے گزشتہ حسن سلوک کو فراموش کر کے مغلوب الغضب ہو جاتا ہے، گالی گلوچ کرتا ہے اور بعض اوقات نوبت مار پیٹ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ پاگل ہو کر طلاق کا لفظ بول دیتا ہے اور ایسے موقع پر اکثر لوگ تو ''طلاق طلاق طلاق'' کہہ دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش ٹھکانے آتے ہیں تو پشیمان ہوتے ہیں اور پریشان ہو کر علماء سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اب بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے تو غصے میں کہہ دیا تھا، میرا ارادہ طلاق دینے کا نہ تھا۔ تو جواب ملتا ہے کہ طلاق کی مثال بندوق کی گولی کی ہے۔ اگر بندوق کسی شخص سے غیر ارادی طور پر بھی چل جائے تو نشانہ بننے والا آدمی تو مر جاتا ہے۔ اب بندوق جس کے ہاتھ سے چل گئی وہ ہزار کہے کہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا مگر مقتول تو زندہ نہیں ہو سکتا۔ گویا ایک پل کا غصہ پورے خاندان کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غصے پر قابو پانے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ آدمی برے نتائج سے بچ سکے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَغْضَبْ)) فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ: ((لَا تَغْضَبْ))(۱)

''غصہ مت کیا کرو''۔اس شخص نے پھر وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے' مگر آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ ''غصہ مت کیا کرو''۔

ہوسکتا ہے کہ نصیحت کی درخواست کرنے والا مشتعل مزاج ہو اور اس کے حق میں سب سے بڑی نصیحت غصے سے رکنا ہو' اسی لیے اس کے بار بار پوچھنے پر ہر دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اشتعال انگیزی سے باز رہنے کی تاکید کی۔ مگر آپؐ کی یہ نصیحت ہر شخص کے لیے ہے' کیونکہ غصے میں آنے کی فطری کمزوری ہر شخص کے اندر موجود ہے جس کے برے نتائج سے محفوظ رہنے کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔

غصہ جہاں انسان کو دنیا کی زندگی میں طرح طرح کی مشکلات اور مصائب میں گرفتار کرتا ہے وہاں انسان کی متاعِ ایمان کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ))(۲)

''غصہ ایمان کو ایسے خراب کر دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔''

شہد شیریں ترین شے ہے' مگر ایلوا اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ وہ شہد کو بھی کڑوا کر دیتا ہے۔ اسی طرح اشتعال انگیزی اتنی بری ہے کہ وہ ایمان میں خرابی کا باعث بنتی ہے۔ اچھا بھلا مسلمان غصے میں آ کر مخالف پر جھوٹے الزام لگاتا ہے اور بعض اوقات تو کلماتِ کفر بول دیتا ہے۔ پس غصے کی شر انگیزی اور ہلاکت کے پیش نظر اس سے بچ کر رہنا ضروری ہے۔

ایک دفعہ راقم الحروف کو ایک جیل کے دورہ کا موقع ملا۔ وہاں مختلف نوعیّتوں کے سزا یافتہ مجرموں کو پابند سلاسل دیکھا۔ کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت بھی کی اور دریافت کیا کہ وہ کس جرم کے نتیجے میں یہاں پہنچے۔ اس پر اکثر قیدیوں کا یہ جواب تھا کہ غصہ آ گیا تھا جس سے بات بڑھ گئی اور انجام کار جیل میں بند ہونا پڑا۔ قتل کے مجرموں اور سزائے موت پانے والوں میں سے بھی اکثر نے یہی کہا کہ مخالف کی کسی بات پر غصہ آ گیا' میں نے پستول نکالا اور فائر کر دیا' میرا مخالف وہیں ڈھیر ہو گیا اور مجھے مقدمہ کا سامنا کرنا پڑا۔ زر کثیر بھی صرف ہوا اور سزا بھی ہو گئی۔

غصے پر قابو پانا کوئی آسان کام نہیں' خاص طور پر جب اس کا نشانہ کوئی کمزور شخص بن رہا ہو۔ مغلوب الغضب شخص کو چونکہ اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ مدمقابل کی طرف سے کسی طرح کا ردّعمل ہوگا' اس لیے وہ بڑی بے باکی کے ساتھ غصے کا اظہار کرتا ہے۔ ایسی حالت میں غصے پر

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب الحذر من الغضب۔

(۲) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

قابو پانا واقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ))(۳)

''پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مدمقابل کو پچھاڑ دے' بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔''

جو شخص غصہ آنے پر آپے سے باہر نہ ہو اور نفس پر ضبط کر لے وہ بڑا بہادر اور صاحبِ عزیمت بلکہ صاحب فضیلت شخص ہے۔ وہ خود بعد میں اپنے طرزِ عمل پر خوش ہوگا اور اپنے آپ کو شاباش دے گا کہ اگر غصے میں آ کر کوئی اقدام کر گزرتا تو بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا۔ پس غصے کو پی جانا بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ جَرْعَۃً اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ جَرْعَۃِ غَیْظٍ یَکْظِمُھَا ابْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی))(٤)

''کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اس گھونٹ سے افضل ہو جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔''

اللہ تعالیٰ کو بندے کا ہر وہ عمل پسند ہے جو وہ اس کی رضا کے لیے کرے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خوف سے غصہ آنے پر ضبط سے کام لے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بڑا انعام و اکرام پائے گا۔ حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اَنْ یُّنَفِّذَہٗ دَعَاہُ اللّٰہُ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَتّٰی یُخَیِّرَہٗ فِیْ اَیِّ الْحُوْرِ شَاءَ))(٥)

''جو شخص غصہ کو پی جائے درآنحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہو کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر سکتا ہو' تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ حورانِ جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لیے منتخب کر لے۔''

اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

---

(۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل من یملك نفسه عند الغضب وبای شیء یذهب۔

(٤) مسند احمد۔

(٥) جامع الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللهﷺ، باب منه۔

((مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ))[6]

''جو کوئی اپنے غصہ کو روکے اور پی جائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے عذاب روک لے گا۔''

گویا غصے پر ضبط کرنا نہ صرف دنیا کی زندگی میں بہت سے نقصانات اور برے نتائج سے بچاتا ہے بلکہ آخرت کی سزاؤں سے بھی محفوظ کرتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک سبق آموز واقعہ ملتا ہے کہ ایک مفلس آدمی تھا' بڑی مشکل سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔مہینوں تک اس کے ہاں گوشت نہ پکتا تھا۔ایک دفعہ دال اور سبزی وغیرہ کھاتے چھ ماہ گزر گئے تو ایک دن وہ پکانے کے لیے گوشت لے کر آیا اور اپنی بیوی کے حوالے کر کے خود مزدوری کرنے چلا گیا۔جب وہ شام کو گھر آیا تو خوب بھوک لگ رہی تھی۔بیوی نے کھانا لا کر رکھا۔کھانے لگا تو سالن میں نمک بہت زیادہ تھا۔ اب اس کا خون کھول گیا۔غصہ عروج پر تھا کہ اگر چھ ماہ بعد گوشت ملا بھی تو وہ بیوی نے نمک زیادہ ڈال کر خراب کر دیا۔وہ چاہ رہا تھا کہ بیوی پر برس پڑے' برا بھلا کہے' بلکہ مار دھاڑ کرے۔اچانک اس کے دل میں خیال آیا کہ یہی کام اگر میری بیٹی کے ہاتھوں ہو جاتا تو کیا میں یہ پسند کرتا کہ اس کا شوہر اس کو مار پیٹ کرے؟ ہرگز نہیں! یہ خیال آنا تھا کہ وہ غصہ پی گیا اور بیوی کو کچھ نہ کہا۔جب یہ شخص فوت ہو گیا تو وقت کے ایک بزرگ نے اسے خواب میں دیکھا۔بزرگ نے پوچھا: بھئی تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کر کے میرے گناہ گنوانے شروع کیے' میں اعتراف کرتا رہا اور سمجھ گیا کہ اب تو دوزخ میں ڈالا جاؤں گا۔اتنے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں یاد ہے کہ تم نے میری بندی کا قصور معاف کر دیا تھا جبکہ اس نے سالن میں نمک زیادہ کر دیا تھا اور تم شدید غصے میں تھے! جاؤ آج میں تمہاری خطائیں معاف کرتا ہوں۔چنانچہ میری بخشش ہو گئی۔

اس اخلاقی کمزوری پر قابو پانے کے سلسلہ میں بھی ہمیں رسول اللہ ﷺ سے مؤثر ہدایات ملتی ہیں۔آپؐ نے فرمایا: ((وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ))[7] ''جب تم میں کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کر لے (یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی)۔''

اس نصیحت کی اہمیت کے پیش نظر اس کو رسول اکرم ﷺ نے بار بار دہرایا تاکہ آدمی

---

(٦) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (٧) مسند احمد۔

اشتعال انگیزی اور جلد بازی سے رک کر نتائج بد سے محفوظ رہے۔

غصہ کی حالت میں انسان کا خون کھول جاتا ہے' یعنی وجود میں حدت پیدا ہو جاتی ہے۔ شیطان بھی آگ سے بنایا گیا ہے' چنانچہ انسان کی اس کیفیت کو شیطان کے ساتھ خصوصی نسبت ہے۔ اس لیے اس کے علاج کے لیے برودت تجویز کی جاتی ہے۔ حضرت عطیہ بن عروہ السعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَاِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ' فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ)) (۸)

''غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے اور شیطان کا مادۂ تخلیق آگ ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے' لہٰذا تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کر لے۔''

غصے کی حالت میں جب آدمی وضو کرے گا تو اس کے اعضاء پر پانی پڑنے سے گرمی زائل ہو جائے گی اور بندہ جلد ہی پرسکون ہو جائے گا۔ جب دو آدمیوں کے درمیان تو تکار ہو رہی ہو اور بات بڑھ رہی ہو تو ان میں سے ایک اگر خاموشی اختیار کر لے اور جواب نہ دے تو بھی غصہ فرو ہو جائے گا۔ خاموشی اختیار کرنا اس وقت آسان ہو جائے گا جب آدمی اس جگہ سے چلا جائے' گویا فریقین کے درمیان فاصلہ ہو جائے۔ جب مخالفین ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے تو انہیں نارمل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ اسی طرح ہیئت بدلنے سے بھی غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ' فَاِنْ ذَھَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ)) (۹)

''جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ پس اگر بیٹھنے سے غصہ جاتا رہے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے''۔

ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے دو آدمیوں کو دست و گریبان دیکھا' ان میں سے ایک دوسرے کو گالی دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' رگیں پھول رہی تھیں' آپؐ نے اسے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کی تلقین کی۔ (الحکمۃ' ص ۴۹۵' بحوالہ بخاری و مسلم) ظاہر ہے کہ تعوذ سے شیطان دور بھاگتا ہے۔ جب شیطان موقع سے بھاگ گیا تو غصہ بھی خود بخود فرو ہو جائے گا۔ oo

(۸) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما یقال عند الغضب۔

(۹) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما یقال عند الغضب۔

قومِ سبا اور اہل پاکستان

حافظ محمد مشتاق ربانی

قومِ سبا پر اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی نعمتیں تھیں، ان کا دور کئی صدیوں پر محیط تھا، لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہ کیا تو عذابِ الٰہی آنے کی وجہ سے ان کی خوشحالی بدحالی میں بدل گئی اور وہ آخر کار نابود ہو گئے۔ پاکستان کی داستان بھی اس پہلو سے قومِ سبا کے ساتھ کسی قدر مماثلت رکھتی ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے، لیکن ہم بھی مسلسل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرنے کے رویہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ خاکم بدہن، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی ان کی طرح قصۂ پارینہ بن جائیں۔ قومِ سبا کے کفرانِ نعمت کا رویہ اختیار کرنے اور اس پر ان کے عذابِ الٰہی سے دوچار ہونے کے متعلق جاننے سے قبل ضروری ہے کہ اختصار کے ساتھ ہم ان کے بنیادی خدوخال سے واقف ہو جائیں۔

لفظ سبا کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ نام تھا یا لقب تھا۔ جدید مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس قوم کا جدّ اعلیٰ عمر یا عبد شمس تھا اور سبا اس کا لقب تھا، جبکہ تورات کا بیان ہے کہ اس کا نام ہی سبا تھا۔ صحیح بات یہی ہے کہ سبا ایک شخص کا نام تھا جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ سبا مرد کا نام تھا یا عورت کا یا کسی زمین کا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((بَلْ هُوَ رَجُلٌ)) ''سبا ایک آدمی کا نام تھا۔''(۱)

سبا کا نام قرآن حکیم میں دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ایک مرتبہ سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں جس میں ہدہد حضرت سلیمانؑ سے کہتا ہے: ﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾﴾ (النمل) ''اور میں آپ کے پاس (شہر) سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔'' دوسری مرتبہ سیلِ عَرِم کے قصہ میں، بلکہ یہاں تو سورۃ کا نام ہی ''سبا'' ہے جو کہ قرآن حکیم کی ۳۴ نمبر سورت ہے۔

اہل سبا کا مذہب زیادہ تر آفتاب پرستی رہا ہے، جیسا کہ ملکہ سبا اور اس کے عوام کے

بارے میں ہدہد نے حضرت سلیمانؑ کو رپورٹ دی تھی: ﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ.....﴾(النمل:٢٤) ''اور میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں.....'' لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان میں آفتاب پرستی ہر دور میں ہی رہی ہو' بلکہ ان میں دوسری تبدیلیوں کی طرح پرستش کے انداز بھی بدلتے رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں آفتاب پرستی غالب طور پر موجود تھی۔

قومِ سبا ایک صلح پسند قوم تھی' جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ملکۂ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں جنگ کی بجائے مصالحت کی پالیسی اختیار کی۔ ان کی صلح پسندی کی دلیل یہ بات بھی ہے کہ اہل سبا نے اپنی زیادہ تر توانائی اسلحہ سازی کی بجائے تعمیرات پر صرف کی۔ سول انجینئرنگ میں وہ اس قدر آگے تھے کہ ان کی بعض عمارات عہد اسلامی تک قائم رہیں' جن کی تفصیلات مؤرخین نے بھی لکھی ہیں۔ جیسا کہ مشہور مؤرخ ابن الحائک الہمدانی (ت ۹۴۵ء) نے اپنی کتاب ''الاکلیل'' میں باقاعدہ ان عمارات کے بارے میں ایک باب باندھا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ''قصص القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ اہل سبا کی ایک عمارت ''قصرِ غمدان'' بے مثل صناعی کا ایک نمونہ تھا۔ یہ قصر بیس منزل پر مشتمل تھا اور ایک منزل کا ارتفاع دس گز تھا۔ سب سے اوپر کی منزل نہایت بیش قیمت آبگینوں سے بنائی گئی تھی اور اس قصر میں ایک سو وسیع وعریض کمرے تھے۔ خود قرآن حکیم میں ان کی تعمیرات کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ﴾ (سبا: ١٥) ''اہل سبا کے لیے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی''۔(٢)

قومِ سبا کا دارالحکومت مأرِب تھا' جو موجودہ یمن کے دارالسلطنت صنعاء سے ۵۵ میل بجانب شمال مشرق واقع تھا۔ قوم سبا کے لوگ نہایت متمدن اور خوشحال تھے۔ ان کی خوشحالی کا انحصار زراعت اور تجارت پر تھا۔ وہاں دریا اور ندی نالے تو نہیں تھے' لہٰذا بارش کے پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے اور اسے زیر استعمال لانے کے لیے انہوں نے ڈیم بنا رکھے تھے' جن سے وہ آب پاشی کرتے۔ انہی ڈیموں میں سے ایک سدّ مأرِب بہت مشہور ہے' جس کا ذکر ''سیل العَرِم'' کے حوالے سے قرآن حکیم میں بھی ملتا ہے۔

قوم سبا کی خوشحالی کا ذکر قرآن حکیم میں ﴿جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ﴾(سبا: ١٥) ''ان کے دو باغ تھے' ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔'' کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے علاقہ کے وسط میں ان کی ایک مرکزی شاہراہ تھی جس کے دونوں جانب باغات کے سلسلے تھے۔

تفسیر القرطبی میں امام قشیریؒ (ت ۴۶۵ھ) کا ایک قول نقل ہے کہ جَنَّتَانِ کا یہ مطلب نہیں کہ ملک میں صرف دو باغ تھے' ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف' بلکہ دائیں بائیں ہر طرف باغات ہی باغات تھے' جدھر نگاہ اُٹھتی پھلوں سے لدے ہوئے سرسبز درختوں پر ہی پڑتی۔[۳] تاریخ المسعودی میں ہے کہ ''سرزمین سبا یمن کے شاداب ترین علاقے میں سے تھی۔ وہاں کے اکثر مقامات پر باغات لگائے گئے تھے جن میں ثمردار درخت اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ شہر خیاباں درخیاباں تھے جن کی شاہراہوں پر دورویہ درخت لگائے گئے تھے۔ باغات میں سیر کرنے کے لیے لوگ مختلف قسم کی سواریوں میں آتے تھے۔ باغات کی کثرت اور سایہ دار اشجار کی کثرت کا یہ حال تھا کہ شہر کے باشندے دھوپ کی تمازت محسوس ہی نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باشندے ہر طرح کے عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے تھے' شادابی و خوشحالی ان کا مقدر تھی' فضا معطر اور پانی مصفّا اور کثرت سے تھا۔''[۴] ابن کثیرؒ البدایۃ والنہایۃ میں بروایت حضرت قتادہؒ نقل کرتے ہیں کہ ''ملک سبا میں اگر ایک عورت کسی موسم میں بھی سر پر خالی ٹوکری رکھ کر ان باغات کے اندر سے گزر جاتی تو ہاتھ لگائے بغیر ہی اس کی ٹوکری پختہ پھلوں کے ٹپکنے سے بھر جاتی۔''[۵]

تجارت کے لیے قومِ سبا کے لوگ شام جاتے اور اس شام جانے والی مرکزی شاہراہ پر وقفے وقفے سے دیہات آتے۔ گویا یہ بڑی پررونق اور پُرامن شاہراہ تھی' جیسے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ط سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا اٰمِنِيْنَ﴾ (سبا)

''اور ہم نے ان کے اور (شام میں) ان کی بستیوں کے درمیان جس میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے سے متصل) دیہات بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے' اور ان میں آمدورفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا' تاکہ رات دن بے خوف و خطر چلتے رہو۔''

یہ وہی شاہراہ ہے جس کا ذکر سورۃ القریش میں ہے: ﴿اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ ''ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔''

یہ بات تو قریش کے بارے میں کہی گئی ہے جو تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے‘ سردیوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرسبز و شاداب ملک ہے۔ لیکن ان دونوں ملکوں کی طرف قریش کا تجارت کی غرض سے سفر کرنا اسی مرکزی شاہراہ پر سے تھا جس کا ذکر قوم سبا کے قصہ میں ہے۔ اس مرکزی شاہراہ کو قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ﴿اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ﴾ (الحجر: ۷۹) ’’ظاہر راستہ‘‘ کہا گیا ہے۔ گویا یہ وہ تجارتی شاہراہ تھی جو حجاز سے ہو کر یمن سے شام کو جاتی تھی اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اس کے دائیں بائیں واقع تھیں۔ اصحاب الایکۃ (قوم شعیبؑ) اور المُؤتَفِکۃ (حضرت لوط علیہ السلام کا گاؤں) جو بحرمیت (Dead Sea) کے قریب تھا اسی شاہراہ پر آباد تھے۔

قوم سبا پر اللہ تعالیٰ نے جو دولت کی فراوانی کی تھی‘ اس پر ان سے تقاضا کیا گیا کہ ﴿وَاشۡکُرُوۡا لَہٗ﴾ (سبا: ۱۵) ’’اور اس کا شکر کرو‘‘۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے سے اعراض کیا تو اُس نے سیلاب کی صورت میں ان پر عذاب بھیجا۔ ہوا یوں کہ وہ ڈیم جو انہیں زراعت کے لیے پانی مہیا کرتا‘ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹوٹ گیا۔ یاد رہے کہ اس بند کا ٹوٹنا اس طرح نہیں تھا کہ وہ اپنے ٹوٹنے کی میعاد کو پہنچ چکا تھا‘ بلکہ یہ عذابِ الٰہی کی صورت میں ناگہانی طور پر ٹوٹا تھا۔ اس ڈیم کے ٹوٹنے سے ان کی فصلیں اور باغات تباہ ہو گئے‘ بلکہ ان کے پورے علاقے میں کسی ایسی مٹی یا ریت کی تہہ جم گئی جس نے وہاں کی زمین کا مزاج ہی بدل دیا اور وہاں پورے علاقہ میں جھاڑیاں اُگنے لگیں۔ قرآن حکیم میں ہے ﴿وَبَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ ﴿۱۶﴾﴾ (سبا) ’’اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے میں دو ایسے باغ دیے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں‘‘۔

اسی طرح قومِ سبا کی ﴿بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا﴾ (سبا: ۱۹) ’’ہماری مسافتوں میں بُعد (اور طول پیدا) کر دے۔‘‘ کی مانگ پر تلاشِ معاش کے ضمن میں ان کے لیے دیگر عرب کی طرح سفر کے مصائب پیدا کر دیے گئے‘ کیونکہ یمن سے شام جانے والی شاہراہ پر واقع آبادیاں ویران ہو گئیں اور وہاں خاک اُڑنے لگی۔ اور یہ بالکل قانون خداوندی کے عین مطابق تھا‘ جیسے فرمایا: ﴿وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا﴾ (طٰہٰ: ۱۲۴) ’’اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔‘‘ قوم سبا کے ساتھ یہ

سارا کچھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے سے اعراض کیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ذٰلِکَ جَزَیْنٰـھُمْ بِمَا کَفَرُوْا﴾(سبا:۱۷) ''یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی۔'' یہ ناشکری کا رویہ اختیار کر کے انہوں نے خود اپنے ساتھ زیادتی کی' ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ﴾(سبا: ۱۹) ''اورانہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا۔'' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ قوم خود بھی پارہ پارہ ہوگئی' بلکہ وہ دوسروں کے لیے مثال بن گئی۔ کہا جانے لگا ''ذھبوا ایدی سبا''(۶) فلاں قبیلہ کے لوگ یوں منتشر ہو گئے جس طرح سبا کی قوم منتشر ہوگئی۔ قرآن حکیم نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿فَجَعَلْنٰـھُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰـھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ﴾(سبا: ۱۹) ''تو ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیے اور انہیں بالکل منتشر کر دیا۔''

ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

قومِ سبا کی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل پاکستان کو بھی طرح طرح کے انعامات سے نوازا ہے۔ سب سے بڑا انعام تو یہ ہے کہ ہمیں ایک الگ خطۂ زمین عطا کیا جس میں ہم آزادی سے رہتے ہیں۔ ورنہ ذرا سوچیں کہ دنیا میں بہت سے ایسے خطے ہیں جہاں پر مسلمان اقلیت کے طور پر رہتے ہیں اور وہ آزادی جیسی نعمت سے محروم ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم آزادی کی اس نعمت کی قدردانی کرنے سے محروم چلے آ رہے ہیں جس کی کئی بار ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت تنبیہہ بھی ہوئی' لیکن ہم نے سبق نہ سیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک انعام یہ کیا ہے کہ ہم آج ایٹمی طاقت ہیں' جو حقیقت کے اعتبار سے بہت بڑی نعمت ہے' جس سے پاکستان ظاہری طور پر ایک ''حصن حصین'' میں آ گیا ہے' کیونکہ دشمن اس کی طرف میلی آنکھ اُٹھانے سے قبل بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہے۔ لیکن ہم اپنے بارے میں بخوبی جانتے ہیں کہ ہم اندر سے کھوکھلے ہیں' کیونکہ ہم نے نظریۂ پاکستان سے غداری کی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قیامِ پاکستان سے اب تک ہم بہت سی ناکامیوں اور نقصانات سے دوچار ہوئے ہیں لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ابھی تک ہمارا تشخص کسی حد تک برقرار ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں مہلت ملی ہوئی ہے' جو کہ بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہلت سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنی ناکامیوں کا ازالہ کریں۔

قصہ مختصر کہ اللہ تعالیٰ کے اہل پاکستان پر اس قدر احسانات ہیں کہ ہم انہیں شمار بھی نہیں کر

سکتے' بلکہ اللہ کے ان احسانات وانعامات میں مزید اضافہ ممکن ہے اگر ہم ان کی صحیح قدردانی کریں' ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ ''اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا'' لیکن اگر ہم اہل سبا کی طرح ناشکری کے راستے پر چلنے سے باز نہ آئے تو ہمارے لیے بھی عذاب الٰہی آ سکتا ہے (العیاذ باللہ)۔ جیسا کہ فرمایا ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ (ابراھیم) ''اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) سخت ہے''۔ ہم بحیثیت قوم اللہ تعالیٰ کا صرف اسی صورت میں شکر ادا کر سکتے ہیں کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جائیں اور اس کے دیے ہوئے قانون کو بطور نظام زندگی اختیار کر لیں۔ بقول اقبال ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

حواشی

(۱) مسند احمد' مسند عبداللّٰہ بن عباس' رقم الحدیث: ۲۷٤۸

(۲) مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی' قصص القرآن: ۳۰۳/۳

(۳) ابو عبداللّٰہ القرطبی' الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) ۱۸۲/۱٤

(٤) ابوالحسن المسعودی' مروج الذھب ومعادن الجواھر: ۱۲۰/۲

(٥) ابن کثیر' البدایۃ والنھایۃ: ۱۷٤/۲

(٦) محمد بن یعقوب' الفیروز آبادی' القاموس المحیط' باب الواؤ' فصل السین: ۳٤۲/٤

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت واجب ہے''

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدۂ اہل اسلام'' کے ضمن میں گزشتہ ماہ ابن عبدالحق الہندی کے مضمون ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت واجب ہے'' کا پہلا حصہ شائع کیا گیا تھا۔ زیر نظر شمارے کی تنگ دامانی کے باعث اس مضمون کا دوسرا حصہ شامل اشاعت نہیں ہو سکا' جس پر ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز مضمون کا دوسرا حصہ آئندہ شمارے میں شائع کر دیا جائے گا۔ (ادارہ میثاق)